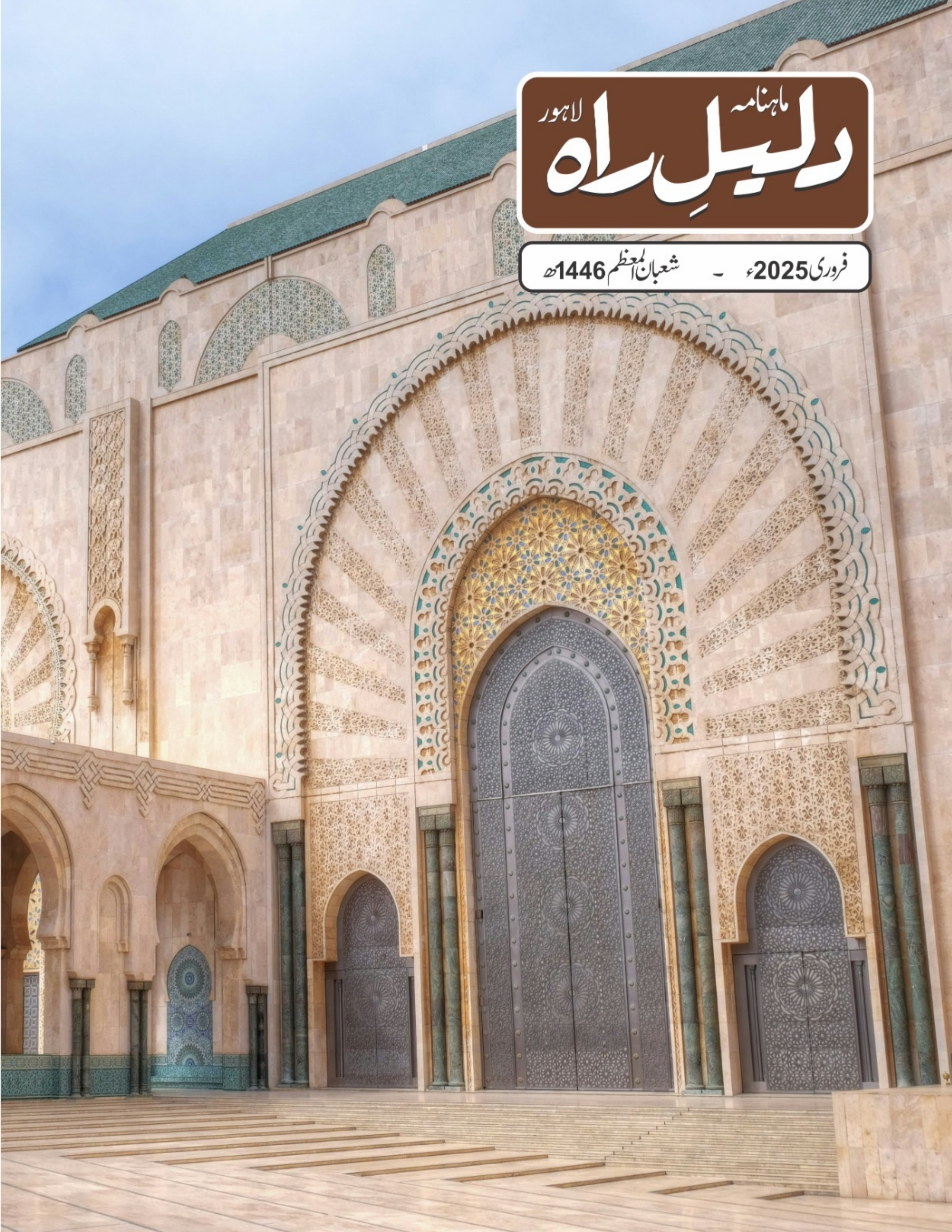

ماہنامہ

دلیلِ راہ

لاہور

فروری 2025ء - شعبان المعظم 1446ھ

CPL.No:406 اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت

ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 02 | فروری 2025ء | جلد 33

مدیر اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

مشیر ادارت

ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز

- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف • پروفیسر مظہر جمیل

ادارتی معاونین

- ابومحی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- شیخ محمد راشد • محمد زبیر گوہر

قیمت فی شمارہ

30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ

600 روپے

جاز کیش، ایزی پیسہ

0323-8400651

بیرون ملک سالانہ

200 ڈالر، 100 پونڈز

ہرچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت و منقبت	مفتی محمد لیاقت علی نقشبندی	4
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	5
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	14
4	درس حدیث	حافظ سخی احمد خان	17
5	مغربی دنیا کی اقوام ہم سے بہتر ہیں؟	ڈاکٹر محمد اظہر نعیم	22
6	ہدیہ حروف	سید ریاض حسین شاہ	24
7	علامہ ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ	ملک محبوب الرسول قادری	25
8	زندگی قرآن کے ساتھ	مفتی محمد لیاقت علی نقشبندی	27
9	رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم	آصف بلال آصف	30
10	شب برأت	علامہ محمد ارشد	32
11	حضرت سخی لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ	ماسٹر احسان الٰہی	35
12	علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور فلسفہ تقلید یار صلی اللہ علیہ وسلم	محمد خان نیازی	39
13	بہت سے لوگ بھوکے کیوں رہ جاتے ہیں؟	مفتی محمد راشد علی	41

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986, 042-35838038

ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید، راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

مفتیؔ عاصی کھڑا ھے پابجولاں یا نبی

آپ کے دم سے سجا وحدت کا بُستاں یا نبی
آپ نے بخشا ہمیں خالق کا عرفاں یا نبی

سارے عالم پر ہے چھائی نا اُمیدی کی خزاں
آپ کی سیرت فقط رنگِ بہاراں یا نبی

ہر طرف ظلمت کا پہرہ ، روشنی کے واسطے
آپ کا اسوہ ہے اک مہرِ درخشاں یا نبی

حسنِ ظاہر حسنِ باطن کے ہیں سب جلوے یہاں
آپ ہیں حسنِ ازل کے ماہِ تاباں یا نبی

ہو نصیب ایسا حصارِ الفتِ عترت مجھے
آ نہ پائے میرے دل میں حبِ شاہاں یا نبی

کچھ نہیں دامن میں اپنے لا کے پیشِ بارگاہ
کر سکیں ہم آپ کو خنداں و فرحاں یا نبی

حُسنِ اعمالِ حَسَن ہے آپ کے در کی عطا
ہو شفایابی ہمیں از دردِ عصیاں یا نبی

سائبانِ عاصیاں ہو گی شفاعت آپ کی
جب اُٹھیں گے حشر میں لرزاں و ترساں یا نبی

سب نبی درجے میں اعلیٰ کوئی بھی ان سا نہیں
اور ہیں سب انبیاء کے آپ سلطاں یا نبی

بیڑیاں عصیاں کی ٹوٹیں ، آپ کی دہلیز پر
مفتیؔ عاصی کھڑا ہے پابجولاں یا نبی

بزمِ حیدر

علی علیہ السلام کا عشق محبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملی ہے
اندھیری راہ میں صورت یہ نور کی ملی ہے

خوشا ہوئی جو زیارت درِ نجف کی مجھے
قسم خدا کی تجلی یہ طور کی ملی ہے

علی علیہ السلام کے در کا گدا ہو کے پھر بھی عاجز ہوں
اگرچہ مجھ کو یہ نسبت غرور کی ملی ہے

مخالفت کے جو طوفان راہِ حق میں اٹھے
میں خوش ہوں مجھ کو یہ سنت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملی ہے

علی علیہ السلام ولی کی نظر کا ہے فیض جس کو بھی
جہاں میں جتنی بھی دولت شعور کی ملی ہے

نہ ھضم ہو جسے نعرہ وِلائے حیدر علیہ السلام کا
یہ جان لو اسے گھٹی فتور کی ملی ہے

علی علیہ السلام کی بزم میں چہرے سبھی کے روشن ہیں
عجیب کیفیت وجد و سرور کی ملی ہے

نہیں رہا ہے انہیں ہوشِ فتویٰ مفتی
ندی یہ ایسی شرابِ طہور کی ملی ہے

مفتی محمد لیاقت علی نقشبندی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فضائلِ شعبان

اے ربِّ کائنات! ساری تعریفیں تیرے لیے ہیں، تُو وحدہٗ لاشریک ہے۔ باغوں میں کھلے ہوئے پھولوں کا حسنِ دلفریب، دریاؤں کی روانی، آسمانوں کی وسعتیں، لیل ونہار کا بدلنا تیرے خالق ہونے پر دال ہے۔ تیری کن کن نعمتوں کا شکرادا کیا جائے۔ تُو اپنی مخلوق پر کس قدر مہربان ہے۔ تُو ان کی تربیت صحیحہ کی خاطر کیسے کیسے سامان مہیا کرتا ہے۔ اے ربِّ جلیل! تیری تعریف میں صبح وشام عندلیبان چمن کے نغموں سے فضا معمور رہتی ہے۔ بے شمار فرشتے ہر وقت تیرے حضور سربسجود رہتے ہیں۔ کوہ و دمن سے سبحان تیری قدرت کی آوازیں اٹھتی رہتی ہیں لیکن تیری تعریف کا حق پھر بھی ادا نہیں ہوتا۔ ہو بھی کیسے؟ جہان کے سمندر سیاہی بن جائیں، یہ خشک ہو سکتے ہیں لیکن تیری تعریف کا حق ادا نہیں ہو سکتا ہے۔ اے ربِّ علیم وخبیر تُو دلوں کی جاننے والا ہے۔ اپنے عاجز بندے کی طرف سے اپنی تعریف وثناء میں یہ حقیر سا ہدیہ قبول فرما۔ الحمد للہ ربِّ العالمین۔

اے اللہ! تیرے بعد تیرے حبیب ﷺ کی شان ہے۔ ہم تیری ہی توفیق سے تیرے حبیب ﷺ کے حضور التجا کرتے ہیں۔ اے آقا! کروڑوں درود ہوں آپ پر کہ آپ کے بحرِ عظمت میں بھی تو لاکھوں با کمال غواص غوطہ زن ہوئے لیکن اس بحرِ بے پایاں کا کنارہ نظر نہ آیا، تھک ہار کر آخر یہی کہنا پڑا:

''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''۔

اے اُمت کے سہارے!

ان رحمتوں سے ہمارا بھی حصہ ہو جائے جو دن رات تیرے قبۂ انور پر برستی رہتی ہیں۔

صلی اللہ علیک یا رسول اللہ و سلم علیک یا حبیب اللہ

قارئین!

اپنے خالق کی نعمتوں کو دیکھو! اس نے کھانے پینے کے لیے دیا، پہننے کا بندوبست کیا۔ ہماری سہولت کے لیے دریاؤں اور ہواؤں کو مسخر کر دیا۔ ہمیں شعور بخشا تا کہ ہم مسائلِ زیست کو خوش اسلوبی سے حل کر سکیں۔ اگر وہ ہماری ایک آنکھ لے لیتا، ہمیں لنگڑا بہرا کر دیتا، تو ہم اس کا کیا بگاڑ سکتے تھے۔ قطعاً نہیں، ہمیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہنا چاہیے۔

ستم ظریفی تو یہ کہ بجائے اللہ کو یاد کرنے کے لہو ولعب میں پڑے ہوئے ہیں۔ احکامِ خداوندی پر عمل تو ایک جانب آج ہم کھلم کھلا اسلام کی حدود سے تجاوز کر رہے ہیں۔ اپنے معاشرے میں نظر دوڑائیے آج ہم میں کون سا عیب نہیں۔ کیا آج شراب نہیں پی جاتی؟ کیا رقص وسرود کی محفلیں منعقد نہیں ہوتیں؟ کیا آج سود کی دکانیں بند ہو چکی ہیں؟ کیا آج ہم ناموسِ مصطفیٰ

ﷺ کو داغدار کرنے کی کوشش نہیں کر رہے؟ سوچیے! ضرور سوچیے! خدارا سوچیے!!! اپنے گریبان میں جھانک کر فیصلہ کیجیے کہ کہاں تک اللہ کی رسی کو تھامے ہوئے ہیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

کیا آج ہم خدائی گرفت کے قابل نہیں؟ ہم عذاب الٰہی کے مستحق نہیں؟ جواب نفی میں نہیں، اثبات میں ملے گا۔ قطع نظر اپنے اعمال کے اللہ تعالیٰ تو بڑا رحمان ہے۔ غفور الرحیم ہے۔ ہر وقت اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اگر آج ہم خلوص نیت سے عہد کر لیں کہ غیبت، شراب نوشی، شرک، لواطت، زنا، سود خوری جیسی حرکات قبیح سے بچتے رہیں گے۔ ہم کتمانِ حق کی طرف نہیں جائیں گے۔ عیاشی، ظلم و تکبر ہمارا شیوہ نہ ہوگا۔ ہماری عبادتوں میں ریا کاری اور خودنمائی کارفرما نہ ہوگی۔ ہماری بہنیں ناچ ورنگ، فحش گانوں اور شوہروں کی نافرمانی سے بچتی رہیں گی۔ تو آپ دیکھیے جہاں اللہ تعالیٰ ہم پر سکون و اطمینان اتارے گا۔ وہاں ہم میں ایک بار پھر وہ جذبہ عود آئے گا۔ جس سے ہم دینِ محمدی ﷺ کو تمام ادیان پر غالب کر سکیں گے۔ عدل وانصاف کے پرچم گاڑے جائیں گے۔ اخوت و مساوات کا دور دورہ ہوگا۔

قرآنی رُو سے اگر انسان کی تخلیق کا مقصد جانا جائے تو صرف اللہ کی عبادت ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''نہیں پیدا کیا میں نے انسان کو مگر اپنی عبادت کے لیے''۔

انسان فطرتاً کمزور واقع ہوا ہے۔ کما حقہٗ اس کی عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے اس معاملہ میں اکثر کوتاہی ہوتی رہتی ہے۔ رغبت ہمیشہ گناہ کی طرف رہتی ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں جو دعوے سے کہہ سکے کہ میں اللہ کے حقوق پورے کرتا ہوں لیکن اس کے مقابلے میں رحمتِ خداوندی بہت وسیع ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں پر ابواب رحمت کھولنے کی خاطر مختلف مواقع فراہم کرتا ہے۔ جن کی برکت کے طفیل گناہگار انسان اپنے قلب کو گناہ کی آلودگیوں سے پاک کر سکتا ہے۔ مثلاً جمعہ شریف میں ایک ساعت، لیل البرأت، لیل القدر، شب معراج، لیل العرفہ وغیرہ۔

اب ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم ان ساعتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ جہاں تک ہو سکے ان ایام میں گڑگڑا کر ربّ کائنات سے مغفرت طلب کریں چونکہ ان صفحات میں صرف شعبان کے فضائل مطلوب ہیں۔ اس لیے دوسرے بابرکت ایام کے لیے صرف اشارہ ہی کافی ہے۔

شعبان کی فضیلت

حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے چار چیزیں اختیار کیں اور پھر ان میں ایک کو چُن لیا۔ ملائکہ میں جبرائیل کو دیگر فرشتوں پر فضیلت دی، انبیاء میں موسیٰ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور حضور محمد مصطفی ﷺ کو چن کر محمد ﷺ کو سب پر فضیلت دی، خلفاء میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بلند مقام بخشا، مساجد میں مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی اور مسجد سینا کو چن کر مسجد حرام کو فضیلت دی۔ اسی طرح مہینوں میں چار ماہ چن لیے، رجب، شعبان، رمضان، محرم اور ان میں شعبان کو چن لیا۔۔۔۔۔''

غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ شعبان کی فضیلت بیان کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

''شعبان کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینہ کو حضور ﷺ نے اپنا مہینہ قرار دیا چونکہ حضور ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں اس لیے ربّ قدیر نے آپ ﷺ کے مہینہ کو بھی افضل بنا دیا اس ماہ کو کریم الطرفین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی رجب شریف کا مقدس مہینہ ہے اور بعد میں بھی رمضان المبارک کا بابرکت ماہ جس میں اللہ کی بے بہا رحمتوں کا نزول ہوتا ہے''۔

شب برأت کے فضائل میں شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی نے اپنی مشہور و معروف تصنیف ''ماثبت باالسنته'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی:

''اس مہینے کا نام شعبان اس لیے رکھا گیا ہے کہ روزہ دار (نفلی روزہ رکھنے والا) کی نیکیوں کے ثواب میں درخت کی شاخوں کی طرح اضافہ ہوتا ہے یعنی جو شخص اس مقدس ماہ میں نفلی روزے رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اجر عظیم عطا فرماتا ہے''۔

لفظ شعبان پر غوث صمدانی، محبوب لامکانی، پیر پیراں، میر میاں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''غنیۃ الطالبین'' میں بڑی پیاری بحث کی۔

آپ فرماتے ہیں:

شعبان خمس حرف شین و عین و باء و الف و نون۔ فالشین من الشرف و العین من العلو و الباء من البر و الالف من الالفته و النون من النور فهذه العطایا من اللہ تعالیٰ للعبد فی هذه الشهرة

''شعبان کے پانچ حروف ہیں: ش، ع، ب، ا، ن۔ پس ش شرف سے ہے، ع علو سے، ب بر سے، الف الفت سے اور نون نور سے۔ پس یہ عطا ہے بندے کے لیے اللہ کی طرف سے اس ماہ میں''۔

یعنی شعبان کا مہینہ جب آتا ہے تو اپنے ساتھ شرافت، بلندی، نیکی، محبت اور اللہ کا نور لے کر آتا ہے اگر کوئی شخص خلوص نیت سے اپنے گناہوں سے تائب ہو کر اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہے تو اس ماہ کی فضیلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما کر روحانی طور پر اس کے درجات بلند فرمائے گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسے اللہ کے نور کی وہ دولت میسر آتی ہے جو اصل میں فقراء کی روحانی غذا ہے۔

شعبان عبادت کا مہینہ

حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ اس ماہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمت کے تمام دروازے کھول دیتا ہے۔ گناہ گاروں کے گناہ معاف کیے جاتے ہیں اور بدیوں کا کفارہ ادا کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس مقدس ماہ میں حضور ﷺ پر کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہیے کیونکہ زمانہ تین قسم کا ہوتا ہے: ماضی، حال، مستقبل۔ ماضی عبرت کا زمانہ ہوتا ہے اور حال عمل کا اور آنے والا زمانہ اُمید کا دن ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ان تینوں مہینوں رجب، شعبان، رمضان کا خاص خیال رکھنا چاہیے اور شعبان کے مہینے میں عبادت بہت زیادہ کرنی چاہیے کیونکہ رجب گزر چکا ہوتا ہے اور رمضان کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تم اس میں زندہ رہو گے یا قادر مطلق سے جا ملو گے۔ اس لیے اس مہینے کو غنیمت جان کر اس میں خوب گڑگڑا کر ربّ قدیر سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔

شعبان میں روزے رکھنا

یہ ایک ایسا ماہ ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر روزے رکھا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کان بصوم شعبان کله و کان یصوم شعبان الا قلیلا

''یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعبان شریف میں یا تو سارا ماہ ہی روزے رکھتے تھے یا زیادہ رکھتے اور کم چھوڑ دیتے تھے''۔ (مشکوۃ شریف)

ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما رایت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یصوم شهرین متابعین الا شعبان و رمضان

''شعبان اور رمضان کے علاوہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پے در پے روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا''۔

(مشکوۃ شریف ۱۷۴)

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعبان میں پے در پے روزے رکھتے ہوئے دیکھا، پے در پے روزے رکھتے ہوئے یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

میں آپ کو اکثر شعبان میں روزہ دار پاتی ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عائشه صدیقه رضی اللہ عنہا انه شهر ینسخ الملک الموت فیه اسم من بغیض روحه فی بقیة العام فانا احب ان لا ینسخ اسمی الا و انا صائم

''یہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ ملک الموت کے لیے لکھا جاتا ہے اس شخص کا نام جس کی روح باقی سال میں قبض ہونا ہوتی ہے پس میں پسند کرتا ہوں جب میرا نام لکھا جائے تو میں روزہ دار ہوں''۔

حاصل مدعا یہ ہے کہ اس ماہ میں لوگوں کو موت و حیات کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ باعث عبرت ہے اس میں خوب خدا کو یاد کرنا چاہیے۔ جہاں تک شعبان کے روزوں کا تعلق ہے تو ہمارے لیے یہ بہتر ہے کہ اس ماہ کے پہلے پندرہ دنوں میں روزے رکھ لیا کریں اور آخری پندرہ دن افطار میں گزاریں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ے فرمایا:

اذا انتصف شعبان فلا تصوم

''جب نصف شعبان گزر جائے تو روزے نہ رکھو''۔ (مشکوۃ شریف)

اگرچہ لگاتار روزے رکھنے میں کوئی حرج نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول صرف اسی وجہ سے ہے کہ کہیں مسلمان شعبان میں لگاتار روزے رکھ کر اتنے کمزور نہ پڑ جائیں کہ رمضان کے فرض روزے ان سے رہ جائیں۔ ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ رمضان شریف سے دو چار دن قبل روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔ بعض بزرگوں کے نزدیک تو شعبان کے پورے روزے رکھنے میں قباحت ہے کیونکہ رمضان سے مشابہت ہوتی ہے۔ بہر حال شعبان شریف میں روزے رکھنے کی بہت فضیلت ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو

چاہیے کہ شعبان شریف میں روزے رکھیں تاکہ ان کی نیکیاں زیادہ ہوسکیں اور بدیوں کا کفارہ بن جائے۔

نسائی کی ایک اور حدیث شریف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شعبان ایک ایسا مہینہ ہے کہ اس میں اللہ کے حضور لوگوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں جب میرے اعمال پیش کیے جائیں تو میں روزہ دار ہوں۔

احادیث مختلفہ سے شعبان کی جو خصوصیات ملتی ہیں انہیں نمبروار لکھا جاتا ہے:

1۔ شعبان عمل کا مہینہ ہے

2۔ شعبان محبت کا مہینہ ہے

3۔ شعبان خدمت کا مہینہ ہے

4۔ شعبان کوشش کا مہینہ ہے

5۔ شعبان بدی کو دور کر دینے والا مہینہ ہے

6۔ اس میں لوگوں کے اعمال اللہ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں

7۔ شعبان عبادت کرنے کا مہینہ ہے

8۔ لوگوں کی روزی کا حساب ہوتا ہے

9۔ موت وحیات کے فیصلے ہوتے ہیں۔

ذوالنون مصری نے فرمایا رجب کھیتی کا مہینہ ہے اور شعبان اس کو پانی پلانے کا۔ بعضوں نے کہا کہ سال ایک درخت ہے اور رجب اس کے پتے ہیں اور شعبان کے دن اس کا پھل ہے اور رمضان اس کا میوہ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہلال شعبان دیکھتے تو قرآن شریف کو پڑھنا لازم کر لیتے تھے۔ ان احادیث سے شعبان کی فضیلت کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ شعبان کی فضیلت پر اور بھی بے شمار حدیثیں ملتیں ہیں لیکن طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور شب برأت جو اس ماہ کے نصف میں آتی ہے اس کے فضائل بیان کرنے کی سعی کرنے لگا ہوں۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر رات میں ایک ایسی ساعت رکھی ہے جس میں وہ پکارتا ہے کہ ہے کوئی بخشوانے والا؟ ہے کوئی میری طرف رجوع کرنے والا کہ میں اس کے گناہ معاف کروں؟ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رات کے تیسرے حصہ میں تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ یہ وقت اللہ سے نہایت قربت کا ہوتا ہے لیکن سال میں کچھ ایسی راتیں بھی ہیں جن میں رحمتِ خداوندی کا نزول بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ان راتوں کی تعداد چار بتائی گئی ہے:

1۔ عید الضحیٰ کی شب 2۔ عید الفطر کی شب

3۔ شعبان کی پندرہویں شب 4۔ عرفہ کی شب

اس کے علاوہ یہ راتیں بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں: جمعہ کی شب اور لیلۃ القدر یعنی رمضان کے آخری عشرہ کی ایک شب جس کو مختلف طریقوں سے روایت کیا گیا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب بڑی ہی اہمیت کی حامل ہے۔ اس رات کے مندرجہ ذیل انعام بیان کیے جاتے ہیں:

1۔ **لیلۃ البرأت**

یعنی دوزخ سے بری کر دینے والی رات۔ غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسے اس لیے لیلۃ البرأت کہا جاتا ہے

کہ اس میں دو برأتیں ہیں: ایک بدبختوں کے لیے اور ایک خدا کے دوستوں کے لیے۔

2۔ لیلۃ المبارکہ

برکت والی رات۔ یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کی بے بہا رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ایک رات میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بسترِ مبارک پر نہ پایا، تلاش کے لیے نکلی تو آپ بقیع (قبرستانِ مدینہ) میں تھے۔ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ تجھے ڈر تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تجھ پر زیادتی کرے گا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے گمان کیا کہ شاید آپ ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس تشریف لے گئے ہیں تب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل علیہ السلام نے خبر دی تھی کہ آج شعبان کی پندرہویں ہے۔ اس رات ربّ کائنات اتنے گناہ گاروں کو جہنم سے نجات دیتا ہے جتنے قبیلہ قلب کے بکریوں کے بال ہیں''۔ (مفہوم حدیث)

اس رات سال میں تمام پیدا ہونے والوں اور مرنے والوں کے نام لکھ دیے جاتے ہیں، اعمال کے اٹھانے کا دن بھی یہی ہے۔ اس لیے اے دوست! سستی اور کاہلی سے کام نہ لینا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تیرا نام اس سال کے مرنے والوں میں ہو۔ توبہ کا کوئی وقت ہاتھ سے نہیں کھونا چاہیے۔ یہ رات تو وہ رات ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''جب یہ رات آتی ہے تو ایک منادی ندا کرتا ہے کہ ہے کوئی بخشش کا طلب گار؟ ہے کوئی سوال کرنے والا؟ کہ میں اس کا سوال پورا کروں''۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کی سورۂ دخان کی اس آیت کریمہ '' فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا ''میں بھی شب برأت ہی کا تذکرہ ہے۔

رات کا قیام دن کا روزہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''شعبان کی پندرہویں تاریخ کو رات کو قیام کرو اور دن کو روزہ رکھو''۔ (ابن مسلم)

''جو شخص پندرہویں کو روزہ رکھتا ہے آسمان سے ایک فرشتہ اسے پکارتا ہے اے فلاں تجھے مبارک ہو خدا نے تیرے تمام گناہ معاف فرمادیے ہیں''۔ (مقصود القاصدین)

شعبان میں پڑھی جانے والی نفلی نمازیں اور ان کا ثواب

جس شخص نے شعبان کی پہلی رات کو بارہ رکعتیں اس طرح ادا کیں کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد ۲۵ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھی اس کے لیے بارہ سالوں کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے اور پیدائش کے دن کی طرح سارے گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے۔ جس نے شعبان کے جمعہ کی رات کو دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ ہر مرتبہ سورۃ الفاتحہ کے بعد تیس بار سورۂ اخلاص پڑھی، حجِ اکبر کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جس نے شعبان کے آخری جمعہ کی رات کو مغرب اور عشاء کے درمیان دو رکعت پڑھی ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی، سورۃ الکافرون اور دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھی اگر اسی سال مر گیا تو شہید مرے گا۔

شعبان کی پندرہویں تاریخ کی نماز

من صلی فی یوم الخامس العشر ثلثین رکعات یقرہ فی کل رکعته بعد الفاتحه الا الاخلاص سبع مراۃ کتب اللہ له اجر الف شهید و الف غازی و الف عنق رقبه (مقصود القاصدین ص:۲۴)

''جس شخص نے پندرہویں کو تیس رکعات اس حالت میں پڑھیں کہ ہر مرتبہ سورۂ فاتحہ کے بعد سات مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہزار شہید، ہزار غازی اور ہزار غلام آزاد کردینے کا ثواب لکھ دیتا ہے''۔

پندرہویں رات کو قبرستان جانا

نبی پاک ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ شعبان کی پندرہویں ہوتی تو رات کو قبرستان تشریف لے جاتے، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہے۔ اس شب کو ہمیں بھی اپنے قریبی قبرستان میں جا کے اپنے گناہوں کی معافی اور مدفون بھائیوں کی مغفرت کی دعا کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ ایک تو ایسا کرنے سے نبی پاک ﷺ کی سنت شریفہ پر عمل ہوتا ہے۔ دوسرا مومن کی دعا سے ربّ کائنات ان قبروں والوں کو جو عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں معاف فرما دیتا ہے اور نیکیوں کے درجات کو بھی بلند فرماتا ہے اور ایسا کرنے والے بھی اجر عظیم کے مستحق ہوتے ہیں۔

جہاں تک ایصال ثواب کا تعلق ہے علماء کی اکثریت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مردے کو مرنے کے بعد بھی زندوں کی طرف سے ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ جیسے نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ مرنے کے بعد آدمی کے تمام اعمال کا ثواب ختم ہو جاتا ہے مگر تین نیکیوں کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں، نیک اولاد جو والدین کے حق میں دعا کرتی ہو۔

''شرح الصدور'' میں علامہ سیوطی نے نقل کیا ہے کہ حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کی رات کو قبرستان گیا میں نے دیکھا کہ وہاں نور چمک رہا ہے۔ ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ شاید اللہ نے قبرستان والوں کو بخش دیا ہے۔ غیب سے آواز آتی ہے۔ ''اے مالک! یہ مسلمانوں کا تحفہ ہے، جو انہوں نے اہل قبور کو بھیجا ہے'' میں نے پوچھا ''مسلمانوں نے کیا تحفہ بھیجا ہے؟'' آواز آئی! ''ایک مردِ مؤمن نے اس رات اس قبرستان میں قیام کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ اس طرح کہ فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھی اور کہا کہ اے اللہ! اس کا ثواب میں نے مومن اہل قبور کو بخشا۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ روشنی اور نور بھیجا اور ہماری قبروں میں مشرق و مغرب کی وسعت پیدا کردی۔ مالک کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہمیشہ میں جمعرات کو دو نفل پڑھ کر اس کا ثواب مومنین کو بخشتا۔ ایصال ثواب پر فقہ کی مشہور و معروف کتاب میں صاحب ہدایہ نے یوں تصریح کی ہے:

ان الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیرہ صلوۃ او صوما او غیرها عند اهل السنته و الجماعته

''اہل سنت و جماعت کے نزدیک انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچا سکتا ہے خواہ نماز ہو خواہ روزہ''۔

ایصال ثواب کے سلسلے میں بے شمار احادیث سند کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں لیکن طوالت کے خوف سے امام نووی ہی کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں:

''امام نووی نے مسلم شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ صدقہ کا ثواب میت کو پہنچنے میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے، یہی مذہب حق ہے اور بعض لوگوں نے جو یہ لکھ دیا کہ میت کو اس کے مرنے کے بعد ثواب نہیں پہنچتا یہ قطعاً باطل ہے اور کھلی ہوئی خطا ہے اس لیے ہرگز یہ قول قابل التفات نہیں۔''

اس قول سے ثابت ہو گیا کہ میت کو ہر نیک کام کا ثواب پہنچایا جا سکتا ہے۔

اس رات میں دیگر مفید عبادتیں

صلوٰۃ التسبیح کا اہتمام کرنا

نبی پاک ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس نماز کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ اے چچا! اس نماز کے پڑھنے سے خدا تیرے اگلے پچھلے، نئے پرانے، دانستہ نادانستہ، چھوٹے بڑے، ظاہر پوشیدہ سب گناہ بخش دے گا۔

ترکیب

نیت باندھ کر ثناء کے بعد پندرہ مرتبہ پڑھے: سبحان اللّٰہ و الحمدللّٰہ و لا الہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر ۔ پھر فاتحہ کے بعد سورہ ملانے کے بعد دس مرتبہ، رکوع میں دس مرتبہ، قومہ میں دس مرتبہ، سجدہ میں دس مرتبہ جلسہ میں دس مرتبہ پھر دوسرے سجدہ میں دس مرتبہ پڑھے۔ ہر رکعت اسی طرح ادا کرنی ہے۔ نماز کی رکعتیں چار ہیں۔ اس نماز کے پڑھنے سے خدا تعالیٰ ہر قسم کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

2۔ درود شریف کی کثرت برتنی چاہیے۔

3۔ ذکر کی محفلیں منعقد کی جائیں۔ اس لیے کہ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس رات میں جو شخص تین مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ پہلی مرتبہ اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، دوسری مرتبہ جہنم سے آزاد کرتا ہے اور تیسری مرتبہ پڑھنے سے وہ شخص جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

مجلس ذکر

ایک روایت ہے کہ فرشتے ذاکرین کی محفل کو تلاش کرتے رہتے ہیں۔ جب انہیں کوئی ایسی محفل نظر آتی ہے۔ جہاں اللہ کا ذکر ہو رہا ہو، تو ان کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے پروں سے ایک دوسرے کا حلقہ کر لیتے ہیں یہاں تک کہ آسمان دنیا اور ذاکرین کے درمیان خلا بھر جاتا ہے۔ جب مجلس ذکر ختم ہو جاتی ہے تو فرشتے آسمان پر پہنچ جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے پوچھتا ہے: ''تم کہاں سے آئے ہو؟ وہ کہتے ہیں: ''ہم تیرے بندوں کے پاس سے آئے ہیں۔ جو زمین پر تیری تسبیح وتہلیل کرتے ہیں، تیری تکبیر پڑھتے ہیں، تیری بزرگی بیان کرتے ہیں اور تجھ سے مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''کیا مانگتے ہیں؟ فرشتے جواب میں عرض کرتے ہیں: ''تجھ سے تیری جنت مانگتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے: ''کیا انہوں نے میری جنت دیکھی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: ''اے ربّ ہمارے! نہیں دیکھی ہے''، خدا فرماتا ہے: ''اگر وہ میری جنت دیکھ لیں تو ان کی طلب کا کیا حال ہو'' اسی طرح دوزخ کے بارے میں سوال و جواب ہونے کے بعد نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے فرشتو! گواہ رہنا میں نے ان کی بخشش فرما دی۔ جو چیز وہ مانگتے ہیں میں نے دے دی اور جس چیز سے پناہ مانگتے ہیں میں نے پناہ دے دی پھر فرشتے کہتے ہیں: ''اے ربّ! فلاں آدمی تو یوں ہی کسی غرض سے آیا تھا، ان میں بیٹھ گیا''، نبی پاک ﷺ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے ''میں نے اس کو بھی بخش دیا ہے کیونکہ ذاکرین ایسی قوم ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں ہوتا''۔ (مشکوٰۃ شریف)

ذکر صیقل دل

نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

''ہر چیز کی صفائی ہے اور دل کی صفائی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے''۔ (مشکوٰۃ شریف)

معمولات

1۔ قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرنی چاہیے

2۔ نماز تہجد پڑھنی چاہیے

3۔ بزرگوں کے بتلائے ہوئے معمولات کا اہتمام کرنا چاہیے

4۔ درود وسلام ذوق وشوق سے پڑھنا چاہیے

5۔ اجتماعی عبادات کے علاوہ انفرادی طور پر بھی اللہ کے حضور جھک کر اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے

6۔ دیگر معمولات کے حل کی دعا بھی کرنی چاہیے۔

طوالت کے خوف سے وہ دعائیں نہیں نقل کی جارہیں جو اس رات نبی پاک ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

قارئین کرام!

شعبان کے فضائل کے سلسلے میں اسلاف کے بہت سے اقوال ملتے ہیں لیکن خیال ہے کہ جب سارے اسلامی سال کے فضائل مرتب کیے جائیں اس وقت اس مختصر سے مجموعہ کے ساتھ وہ قیمتی باتیں بھی شامل کردی جائیں۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم بحرمت سید النبیین ﷺ

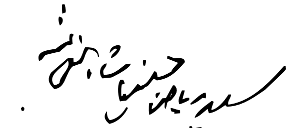

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید وفرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کررہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دل کش ہے جس میں رموز ومعانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دل چسپی کے لیے سورۃ النساء کی آیت نمبر 51 تا 56 پیش کررہے ہیں۔ (ادارہ)

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ
بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ
اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿٥١﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿٥٢﴾ اَمْ
لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿٥٣﴾
اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ
اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا
عَظِيْمًا ﴿٥٤﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ
وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿٥٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ
نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا
غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿٥٦﴾

''کیا آپ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جنہیں کتاب سے ایک حصہ ملا وہ شیطانی توہمات اور طاغوت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کفر کرنے والے ایمان لانے والوں سے بڑھ کر راہِ راست کی ہدایت رکھتے ہیں، ایسے ہی لوگوں پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت فرماتا ہے تو ہرگز اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا، کیا انہیں اقتدار میں سے تھوڑا سا بھی میسّر ہے اگر ایسے ہو جائے تو یہ لوگوں کو تل بھر بھی نہ دیں، یا وہ محبت والوں سے حسد کرتے ہیں اس پر کہ اللہ نے جو اپنے فضل سے انہیں نواز رکھا ہے، بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور ہم ہی نے انہیں ملک عظیم سے نوازا، تو ان میں سے بعض تو ان پر ایمان لائے اور بعض نے ان سے روگردانی کی اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ ہی ایسوں کے لیے کافی ہے، بے شک وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا عنقریب ہم انہیں آگ میں جا ملائیں گے، جب کبھی ان کی جلدیں سڑ جائیں گی ہم انہیں دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ سزا چکھیں، بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے''۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ
وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿٥١﴾

''کیا آپ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جنہیں کتاب سے ایک حصہ ملا وہ شیطانی توہمات اور طاغوت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کفر کرنے والے ایمان لانے والوں سے بڑھ کر راہِ راست کی ہدایت رکھتے ہیں''۔

اسلامی تحریک کے خلاف ایک منحوس قدم

کعب بن اشرف عصر رسالت میں مدینہ کے یہودیوں کا سرکردہ رہنما تھا۔ یہ نت نئی قسم کی سازشیں تیار کرنے میں مگن رہتا۔ غزوۂ احد کے بعد یہ ستر آدمیوں کے ہمراہ مکہ آیا۔ اس کی نئی شرارت کا ہدف محمدی دعوت تھی۔ اس نے چاہا کہ اہل مکہ سے تازہ معاہدہ کر لے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میثاق توڑ دے۔ کعب ابوسفیان کے گھر آیا۔ تازہ دوستی کو لذیذ بنانے اور ثمر بار کرنے کے لیے ابوسفیان نے کعب بن اشرف کی خوب آؤ بھگت کی۔ کعب کے دوسرے ساتھی دوسرے مشرکین روٴسا کے گھروں میں ٹھہرے۔ کتابیوں نے ہر گھر میں اسلام کے خلاف نفرت کی آگ روشن کرنے کی کوشش کی۔ ابوسفیان نے کہا کہ کعب تم سازش بھی کر سکتے ہو، اس لیے ہمیں تمہاری باتوں پر یقین اس وقت آئے گا جب تم ہمارے دو بڑے بتوں کے سامنے سجدہ کرو گے۔ کعب نے محمد دشمنی میں سجدہ بھی کر لیا۔ کعب نے بعد ازاں تجویز دی کہ تیس آدمی تمہارے اور تیس ہمارے کعبہ سے پیٹ جوڑ کر عہد کریں کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرنے میں کوتاہی نہیں کریں گے۔ ابوسفیان کہنے لگا تم پڑھے لکھے ہو اور ہم ان پڑھ لوگ، یہ تو بتاؤ ہم میں سے صحیح کون ہے؟ کعب نے کہا تم اپنے دینی افکار میرے سامنے بیان کرو؟

ابوسفیان نے اپنے افکار کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا:

- ہم حاجیوں کے لیے اونٹوں کی قربانی کرتے ہیں۔
- کعبہ کی زیارت کرنے والوں کے لیے پانی کا بندوبست کرتے ہیں، مہمان نوازی ہمارا تاریخی شعار ہے۔
- قیدیوں کو آزاد کرنا اور کروانا ہم پر لازم ہوتا ہے۔
- کعبہ کی آبادگی ہمارا مذہب ہے، ہم معبود کے جوار رحمت میں رہتے ہیں۔ کعبہ کا طواف کرنا ہمارے نزدیک ضروری ہوتا ہے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قطع رحمی کر دی ہے۔ ہم سے تعلق توڑ دیا ہے۔ وہ قدیمی دین سے نکل کر تازہ دین کا پرچم بردار ہو گیا۔

کعب بن اشرف نے معنیٰ خیز انداز میں تیوری چڑھائی اور پھر مکارانہ اسلوب میں بولا، قسم خدا کی تمہارا دین محمد کے دین سے بہتر ہے۔ زیر تفسیر آیت یہودیوں کی اسی سازش کو بے نقاب کرنے کے لیے اتری (160)۔

"جبت" اور "طاغوت" کا معنیٰ

وہبہ لکھتے ہیں کہ ردی چیز جس میں خیر نہ ہو "جبت" ہے جبکہ سرکش انسان ہوں یا شیاطین "طاغوت" ہیں (161)۔

سعید بن جبیر اور ابو العالیہ کا قول ہے کہ حبشی زبان میں جادوگر کو "اَلْجِبْتِ" اور کاہن کو "الطَّاغُوْتِ" کہتے ہیں (162)۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے "جبت" جادو ہے اور "الطَّاغُوْتِ" شیطان ہے (163)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے "اَلْجِبْتِ" حی بن اخطب اور "الطَّاغُوْتِ" کعب بن اشرف ہے (164)۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ "الطَّاغُوْتِ" ہر وہ شے ہے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے اور "اَلْجِبْتِ" شیطان ہے (165)۔

"اَلْجِبْتِ" کی اصل "الخبس" ہے وہ جس میں خیر نہ ہو۔ یہاں "تا" سین کا بدل ہے یہ قطرب کا قول ہے (166)۔

ایک قول یہ بھی کیا گیا ہے "اَلْجِبْتِ" سے مراد ابلیس ہے اور "الطَّاغُوْتِ" سے مراد اس کے اولیاء ہیں (167)۔

"الطَّاغُوْتِ" لفظ قرآن میں آٹھ مقامات پر آیا ہے اور "اَلْجِبْتِ" اسم جامد ہے صرف اسی آیت میں استعمال ہوا ہے (168)۔

مسلمانوں کی تربیت

وہ لوگ جو آخری کتاب قرآن حکیم کو ضابطۂ تربیت تسلیم کرتے ہیں انہیں یہ آیت توہمات اور وہمیات سے باہر نکالتی ہے۔ انسانی زندگی میں وہ مقام خطرناک ہوتا ہے جب یقین سے ذہن اور روح محروم ہو جائیں اور وہم، غفلت، ذہول، نسیان، لاپرواہی، فضول فکری، یاوہ پروری، خباثت نفسی اور گندی دوستی میں اڑ جائیں۔ یہ سب کمزور ہو کر جھانسہ دیں تو "جبت" ہیں اور طاقتور ہو کر ورغلائیں تو "طاغوت" ہیں۔

سید قطب نے ٹھیک لکھا (169):

"طاغوت" ہر وہ قانون ہے جو اللہ کی طرف سے نہیں ہے اور ہر وہ حکم ہے جس پر کوئی شرعی سند موجود نہیں اور ہر وہ وہم، وسوسہ، حیلہ، سازش اور کوشش "جبت" ہے جو اللہ، رسول اور قرآن سے دور کرے"۔

واللہ اعلم

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾

"ایسے ہی لوگوں پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت فرماتا ہے تو ہرگز اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا"۔

یہ سلسلۂ کلام بدستور انہی لوگوں کے بارے میں ہے جو خودستائی کے مارے ہوئے تھے۔ اپنے آپ کو برگزیدہ تصور کرتے تھے۔ خود کو اللہ کا بیٹا تک کہہ دیتے تھے، جبت اور طاغوت پر ایمان وتسلیم ان کی عادت بن چکی تھی اور اعمال سفلیہ ان کے دین کا حصہ ہو گیا تھا، یہ بات ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ جادوٹونے سب شیطانی قوتوں اور ارواح خبیثہ سے سنگت کے نتیجے میں ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جوان گندی چیزوں کو مؤثر مانتے ہیں اور کام میں لانے کے لیے مشرکانہ معمولات کو اپناتے ہیں ایسے لوگوں کے لعنتی ہونے میں کیسے شک کیا جاسکتا ہے۔ کفار اور مشرکین کو مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ماننا یہ بھی اسی لعنت کا حصہ ہے۔ وہ درخت جسے اللہ کاٹ دے اسے کوئی لاکھ پانی دے وہ ہرا نہیں ہوسکتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے (170):

ہوا نے ایک آدمی کی چادر اُڑا لی تو اس نے ہوا پر لعنت کی

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تُو اس پر لعنت نہ کر اس لیے کہ یہ اللہ کی جانب سے مامور ہے"۔

غیر مستحق پر لعنت کرنے سے لعنت اسی کی طرف لوٹ جاتی ہے جس نے بے جا لعنت بھیجی ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا:

ایک عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے۔

ام المومنین نے فرمایا:

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت پر لعنت بھیجی ہے" (171)۔

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾

"کیا انہیں اقتدار میں سے تھوڑا سا بھی میسّر ہے اگر ایسے ہو جائے تو یہ لوگوں کو تل بھر بھی نہ دیں"۔

آیت میں "أَمْ" "متصلہ" ہے اور "نَصِيبٌ" کا معنیٰ حصہ ہے۔ تعبیری مفہوم یہ بنتا ہے ان یہودیوں کے لیے کوئی ملک نہیں، اگر ان کا کچھ حصہ ہوتا تو یہ لوگ اپنے بخل، طبعی گھٹیا پن، کم ظرفی، کمینگی اور حسد کی وجہ سے کسی کو کچھ بھی نہ دیتے (172) اور "أَمْ" کو اگر منقطع مانا جائے تو پھر مفہوم یہ بنتا ہے کہ کیا ان کے لیے ملک میں کوئی حصہ ہے؟ اگر ہے تو پھر تو مارے گئے دنیا والے، یہ لوگ تو کھجور کی گٹھلی پر جو جھلی ہوتی ہے وہ بھی کسی کو دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے (173)۔

بعض علماء نے لکھا کہ یہ عاطفہ ہے کیونکہ یہ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں کرتے تھے اور خود کو رسالت کا بھی مستحق جانتے تھے اس لیے کہا گیا ملک میں فیصلے ان کے سپرد کر دیے گئے ہیں یہ کسی کو پھوٹی کوڑی دینے کے لیے تیار نہیں۔

"نقیر" کی تشریح

"نقیر" پر قرطبی نے خوبصورت تحقیق کی ہے (174):

"نقیر" گٹھلی کے پیٹھ پر نکتہ کو کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے جو انسان اپنی انگلی سے کریدتا ہے۔ کبھی وہ سمجھانے کے لیے یوں بھی فرماتے۔ اپنے انگوٹھے کی ایک طرف اپنی شہادت کی انگلی کے باطن پر رکھتے پھر چٹکی بلند کر کے فرماتے یہ "نقیر" ہے۔ "النقیر" اصل میں وہ لکڑی ہوتی ہے جس کو کریدا جاتا ہے اور اس میں نبیذ بنائی جاتی ہے۔ محاورہ میں یوں بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ "فلان، کریم النقیر" یعنی فلاں شخص کریم الاصل ہے، مراد تحقیقی امر ہے کہ فلاں کریم آدمی ہے (175)۔

وہ لوگ قیادت اور سیادت کے کبھی اہل نہیں ہوسکتے جو دوسروں پر بھروسہ نہ کرسکتے ہوں اور دوسرے لوگوں کی اہلیت تسلیم نہ کرسکتے ہوں اور بندہ نوازی کی خصلت ان میں موجود نہ ہو۔ واللہ اعلم

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾

"یا وہ محبت والوں سے حسد کرتے ہیں اس پر کہ اللہ نے جو اپنے فضل سے انہیں نواز رکھا ہے، بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور ہم ہی نے انہیں ملک عظیم سے نوازا"۔

یہودیوں کے غلط فیصلوں کی وجوہات بیان کرتے ہوئے یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ لوگ کفرانِ نعمت اور ظلم وستم کی وجہ سے روبہ تنزل ہو رہے ہیں۔ وہ کہتے یہ ہیں کہ ہم ترقی کر رہے ہیں لیکن اپنی گھٹیا حرکتوں کی وجہ سے وہ زمین میں دھنستے جا رہے ہیں۔

قرآن مجید کی زیرِ تفسیر آیت میں قاریِ قرآن کو یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ ان کا حسد ان کو کھا گیا ہے۔ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے تاریخی عظمتوں اور فضیلتوں سے یہ محروم ہو چکے ہیں، اب حسد ان کو مزید ذلیل کر رہا ہے۔ ایک وقت تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں علم وحکمت کا ہر حوالہ موجود تھا۔ ریاستی تاریخ کا آسمان ان پر فضیلتیں برساتا تھا۔ اسحاق، اسماعیل، موسیٰ، داؤد، سلیمان اور یوسف علیہم السلام انہی کی فضیلت مآب تاریخ کی ضیاء تھی لیکن جونہی آسمانی برجوں کا سفر کرتے ہوئے مہرِ درخشاں پیغمبر ﷺ اور ان کی آل کے برجِ فضیلت میں داخل ہوا، حاسدین اندھے، بہرے اور گونگے ہو گئے۔ اگر ''النَّاسَ'' سے مراد حضور ﷺ اور آلِ ہاشم لیے ہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ قرائن موجود ہیں جو اس موقف کی تائید کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ایک قول موجود ہے:

نحن المحسودون

''ہم ہی ہیں جن پر دشمن حسد کا شکار ہو جاتے ہیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول بھی اس کی تائید کرتا ہے:

''آیت میں ''النَّاسَ'' سے مراد ہم ہیں نہ کہ اور لوگ''۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''حسد ایمان کو آہستہ آہستہ یوں کھا جاتا ہے جس طرح آگ دھیرے دھیرے لکڑیوں کو کھا جاتی ہے''۔

حاسدین کی موجودگی میں معاشرے میں اچھے اور باصلاحیت لوگ ابھر نہیں سکتے۔ یہ وہ خوفناک درندے ہیں جو لوگوں کے فضائل کھاتے ہیں جیسے جانور گھاس کھاتے ہیں۔ حسد کے منہ میں دانت ویرانیوں کو بچاتے ہیں اور خوبیوں کو نوچتے ہیں۔ حاسد اصل میں بیمار شخص ہوتا ہے جو صحت کے لیے صالحین سے دعائیں لینے کی بجائے ان کی بددعائیں کما بیٹھتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد کتنی حکمتیں رکھتا ہے کہ تندرستی حسد کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے جبکہ حسد کرنے والے اپنے جسم کی سلامتی سے غافل ہوتے ہیں۔ اللہ ان درندوں سے محفوظ رکھے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾

''تو ان میں سے بعض تو ان پر ایمان لائے اور بعض نے ان سے روگردانی کی اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ ہی ایسوں کے لیے کافی ہے''۔

اس آیت کی تشریح میں فخر الدین رازی لکھتے ہیں (176):

آیت میں ''بِهٖ'' کے اندر ضمیر کا مرجع حضرت محمد ﷺ کی ذات ہیں، اب مفہوم آیت یہ ہوگا کہ اہلِ کتاب جن کو کتاب میں سے تھوڑا سا علم ملا ہے ان کی جماعت میں سے کچھ لوگ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لے آئے جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی تھے لیکن بعض لوگ اپنے حسد کی کارستانی کے نتیجے میں ایمان سے محروم ہو گئے بلکہ راہِ حق میں وہ رکاوٹ بن گئے۔

تفسیر کا دوسرا قول یہ کہ ضمیر آلِ ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔ مطلب ہے ان میں سے بعض ایمان لائے اور بعضوں نے اعراض برتا (177)۔

ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں کہ ''بِهٖ'' میں ضمیر کا مرجع قرآن حکیم بھی ہوسکتا ہے (178)۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں ضمیر کا مرجع ابراہیم علیہ السلام ہیں (179)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا عنقریب ہم انہیں آگ میں جلائیں گے، جب کبھی ان کی جلدیں سڑ جائیں گی ہم انہیں دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ سزا چکھیں، بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے''۔

اللہ کی آیات سے مراد کیا ہے؟

اسماعیل حقی روح البیان میں لکھتے ہیں کہ آیات سے مراد قرآنی آیات اور رسول کریم ﷺ کے معجزات ہیں (180)۔

علامہ رازی لکھتے ہیں کہ آیات سے انکار کے طریقے عجیب عجیب تھے، کبھی تو وہ سرے سے انکار ہی کر دیتے اور کبھی وہ بے توجہی برتتے اور اپنی چالاکیوں سے شکوک و شبہات پیدا کرتے اور حسد اور عناد کے ساتھ ڈھٹائی برتتے اور تسلیم کی بجائے انکار کا راستہ اختیار کر لیتے (181)۔

عمود آیت یہ کہ ہم کافروں کو آگ میں جلائیں گے اور جس وقت ان کے بدن کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم انہیں نئی کھالوں کا پہناوا دے دیں گے تاکہ انہیں اچھی طرح سزا چکھائیں۔

آیت میں اللہ کی دو صفتیں ایک عزیز ہونا اور دوسرا حکیم ہونا ہے۔ عزیز قادر ہونے کے معنوں میں کہ اللہ کی گرفت سے کوئی خارج نہیں اور حکیم ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اتنی بڑی سزا دینا کوئی شخص خدا کی رحمت کے منافی نہ سمجھے، کبھی کبھی حکیموں کی حکمت کا تقاضا یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ عذاب دیں (182)۔

حوالہ جات

(160) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً ابن کثیر ایضاً روح البیان ایضاً طبرسی ایضاً درالمنثور ایضاً نمونہ ایضاً کمالین ایضاً جامع البیان

(161) التفسیر المنیر: وہبہ
(162) المحرر الوجیز: ابن عطیہ
(163) الجامع لاحکام: قرطبی
(164) الجامع لاحکام: قرطبی
(165) زاد المسیر: ابن جوزی
(166) تفسیر کبیر: رازی
(167) الجامع لاحکام: قرطبی
(168) نمونہ: قلم کاروں کی جماعت
(169) فی ظلال القرآن: سید قطب
(170) معارف القرآن: مفتی محمد شفیع
(171) معارف القرآن: مفتی محمد شفیع
(172) الجامع لاحکام: قرطبی
(173) المحرر الوجیز: ابن عطیہ
(174) الجامع لاحکام: قرطبی
(175) احکام القرآن: طبری
(176) تفسیر کبیر: فخر رازی
(177) روح المعانی: آلوسی
(178) البحر المحیط: اندلسی
(179) تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی
(180) روح البیان: اسماعیل حقی
(181) تفسیر کبیر: رازی
(182) تفسیر کبیر: فخر رازی

قرآن اور علی رضی اللہ عنہ دائمی ساتھی

حافظ سخی احمد خان

أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْحَفِيدُ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ نَصْرٍ، ثنا عَمْرُو بْنُ طَلْحَةَ الْقَنَّادُ، الثِّقَةُ الْمَأْمُونُ، ثنا عَلِيُّ بْنُ هَاشِمِ بْنِ الْبَرِيدِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ التَّيْمِيُّ، عَنْ أَبِي ثَابِتٍ، مَوْلَى أَبِي ذَرٍّ قَالَ: كُنْتُ مَعَ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ يَوْمَ الْجَمَلِ، فَلَمَّا رَأَيْتُ عَائِشَةَ وَاقِفَةً دَخَلَنِي بَعْضُ مَا يَدْخُلُ النَّاسَ، فَكَشَفَ اللهُ عَنِّي ذَلِكَ عِنْدَ صَلَاةِ الظُّهْرِ، فَقَاتَلْتُ مَعَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، فَلَمَّا فَرَغَ ذَهَبْتُ إِلَى الْمَدِينَةِ فَأَتَيْتُ أُمَّ سَلَمَةَ فَقُلْتُ: إِنِّي وَاللهِ مَا جِئْتُ أَسْأَلُ طَعَامًا وَلَا شَرَابًا وَلَكِنِّي مَوْلًى لِأَبِي ذَرٍّ، فَقَالَتْ: مَرْحَبًا فَقَصَصْتُ عَلَيْهَا قِصَّتِي، فَقَالَتْ: أَيْنَ كُنْتَ حِينَ طَارَتِ الْقُلُوبُ مَطَائِرَهَا؟ قُلْتُ: إِلَى حَيْثُ كَشَفَ اللهُ ذَلِكَ عَنِّي عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ، قَالَ: أَحْسَنْتَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُولُ: »عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ لَنْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ «هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَأَبُو سَعِيدٍ التَّيْمِيُّ هُوَ عُقَيْصَاءُ ثِقَةٌ مَأْمُونٌ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ" المستدرك على الصحيحين

’’حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابوثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جنگ جمل کے موقع پر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا، جب میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کھڑے دیکھا تو میرے دل میں بھی وسوسہ پیدا ہوا جو دوسرے لوگوں کے دلوں میں تھا لیکن نماز ظہر کے وقت اللہ تعالیٰ نے وہ وسوسہ مجھ سے دور کر دیا چنانچہ میں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ قتال کیا۔ جب جنگ ختم ہوئی تو میں مدینہ منورہ میں آیا تو میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا۔ میں نے کہا: خدا کی قسم! میں کوئی کھانے یا پینے کی کوئی چیز مانگنے کے لیے نہیں آیا بلکہ میں تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام ہوں۔ انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا۔ میں نے ان کو اپنا واقعہ سنایا۔ انہوں نے کہا: جب دل اپنے مقام پر اُڑے جا رہے تھے تو تو اس وقت کیسے بچ گیا؟ میں نے کہا: میری بھی حالت وہی تھی لیکن زوال شمس کے وقت اللہ تعالیٰ نے مجھے شرح صدر عطا کر دیا۔ انہوں نے کہا: تم نے اچھا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے سنا ہے ’’علی قرآن کے ساتھ اور قرآن علی کے ساتھ رہے گا اور یہ کبھی بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ یہ دونوں اکٹھے ہی میرے پاس حوض کوثر پر آئیں گے‘‘۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور ابوسعید التیمی عقیصاء ہیں، یہ ثقہ ہیں، مامون ہیں لیکن شیخین رحمۃ اللہ علیہما نے اس روایت کو نقل نہیں کیا‘‘۔

زیرِ مطالعہ فرمانِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین حصّے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن کے ساتھ

قرآن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ

حوض کوثر یعنی قیامت تک دونوں ایک دوسرے کے ساتھ

مگر تفہیم کی طرف جانے سے پہلے روایت کے راویوں کی ثقاہت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

روایت کے راوی

اس روایت کے پہلے راوی ابو بکر محمد بن عبداللہ الحفید ہیں۔ یہ محمد بن عبداللہ بن یوسف ہیں اور محمد بن عبداللہ الھر ی کے نام سے مشہور ہیں۔ خطیب بغدادی انہیں صدوق حسن الحدیث ہیں اور ان پر کوئی جرح وارد نہیں ہے۔ دوسرے راوی احمد بن محمد بن نصر ہیں۔ یہ احمد بن محمد بن اللباد کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی کنیت ’’ابونصر‘‘ ہے اور ان سے احمد بن محمد بن حنبل بن حلال اور فضل بن عمرو بن حماد سعید بن داود بن سعید روایت کرتے ہیں۔ یہ مقبول راوی ہیں اور ان پر بھی کوئی جرح وارد نہیں۔ روایت کے تیسرے راوی عمرو بن طلحہ القناد ہیں۔ یہ عمرو بن حماد بن طلحہ ہیں اور عمرو بن حماد القناد کے نام سے شہرت رکھتے ہیں ان کی کنیت ’’ابومحمد‘‘ ہے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر اپنی کتاب ثقات میں کیا ہے اور دار قطنی نے ان کا ذکر تابعین کی فہرست میں کیا ہے۔ ابن منجویہ نے رجال مسلم میں ان کا ذکر کیا ہے۔ امام بخاری تاریخ الکبیر میں انہیں صدوق فی الحدیث کہتے ہیں۔ اور روایت ہذا کے چوتھے راوی علی بن ھاشم بن البرید ہیں۔ یہ علی بن ھاشم البریدی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ امام عجلی نے ان کا ذکر ’’کتاب الثقات‘‘ میں کیا ہے۔ نیز یہ بھی رجال مسلم میں سے ہیں۔ پانچویں راوی ہاشم بن برید ہیں۔ یہ ھاشم بن برید الزبیدی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی کنیت ’’ابو علی‘‘ ہے۔ ان سے امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایات کو لیا ہے۔ امام احمد بن حنبل ان کے بارے میں ’’لا باس فيه‘‘ فرماتے ہیں اور ابن حجر انہیں ثقہ فی الحدیث مانتے ہیں۔ روایت کے چھٹے راوی ابوسعید عقیضی التیمی ہیں۔ یہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ’’الثقات‘‘ میں کیا ہے۔ بخاری نے ’’تاریخ الکبیر‘‘ میں ان کی روایات کو حسن الحدیث قرار دیا ہے۔

مولا علی رضی اللہ عنہ قرآن کے ساتھ

یہ سوال انتہائی اہم ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ہی یہ کیوں فرمایا کہ یہ قرآن کے ساتھ ہے اور رہے گا جب کہ تربیتِ رسول اور پیغامِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی رہا کہ ہر صاحبِ ایمان کو قرآن مجید کے ساتھ وابستہ کیا جائے اور غلامانِ رسول قرآن مجید کے ساتھ غیر متزلزل عزم کے ساتھ وابستہ ہی رہے۔ قرآنِ مجید اُن کی زندگیوں کا اوڑنا بچھونا رہا اور زندگی کی ہر مشکل گھڑی میں ’’حسبنا کتاب

اللہ'' اُن کا نعرۂ حق رہا مگر یہ خاصہ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہی ہے کہ آقا کریم ﷺ نے یہ سند اور اعزاز صرف اور صرف اپنے علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی کہ میرے علی کی حیات کا ایک ایک لمحہ قرآن کے ساتھ گزرے گا۔ اس لیے فرمانِ رسول پاک ﷺ کو سمجھنے کے لیے حضرت مولا علی کی قرآن مجید کے ساتھ وابستگی کے چند مناظر ملاحظہ ہوں:

تلاوت قرآن مجید

مولا علی پاک علیہ السلام کی تلاوت کا منظر مولانا جامی علیہ الرحمہ یوں بیان کرتے ہیں:

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وی را کرامت بسیار است، واز آں جملہ آنست که بروایاتِ صحیحه ثابت شده است که چوں پای مبارک بررکاب می نهاد، افتتاحِ تلاوتِ قرآن می کرد، وچوں پای دیگر بر کاب می رسید، وبروایتی بربالای ستور راست می ایستاد، ختم تمام می کرد

'' آپ رضی اللہ عنہ کی بہت سی کرامات ہیں، اُنہی میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ رکاب پر ایک پاؤں مبارک رکھتے تھے تو قرآنِ کریم کی تلاوت شروع کر دیتے تھے اور جب دوسرا پاؤں مبارک رکاب تک پہنچتا تھا اور ایک روایت کے مطابق جب رکاب پر سیدھے کھڑے ہوجاتے تھے تو پورا قرآنِ کریم ختم کر لیتے تھے''۔

نیز شواہد النبوۃ، اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ میں اسی بات کو بیان کیا گیا ہے۔ اگر کسی کو شک کا بچھوڈس رہا ہو تو بخاری شریف کی درج ذیل روایت کا مطالعہ کر لیں جس میں حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام کی تلاوتِ زبور کا نقشہ اللہ کے پاک محبوب ﷺ نے بیان فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ »خُفِّفَ عَلَى دَاوُدَ علیہ السلام الْقُرْآنُ، فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَوَابِّهِ فَتُسْرَجُ، فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ قَبْلَ أَنْ تُسْرَجَ دَوَابُّهُ، وَلاَ يَأْكُلُ إِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدِهِ«

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''داؤد علیہ السلام کے لیے قرآن یعنی زبور کی قرآت بہت آسان کر دی گئی تھی چنانچہ وہ اپنی سواری پر زین کسنے کا حکم دیتے اور زین کسی جانے سے پہلے ہی پوری زبور پڑھ لیتے تھے اور آپ صرف اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے تھے''۔ (صحیح بخاری)

ایسی تلاوت صرف اور صرف خاصۂ مولا مرتضیٰ علیہ السلام ہی ہے۔ کسی اور کو یہ اعزازِ کرامت نہ مل سکا، کوئی اور ایسی تلاوت نہ کر سکا، کسی اور کو اندازِ تلاوت اور رنگِ تلاوت نصیب نہ ہو سکا۔

امام حسین پاک رضی اللہ عنہ کی نیزہ کی نوک پر تلاوت پر حیران نہ ہوں کیونکہ اُن کی رَگوں میں سیدۂ کائنات علیہا السلام اور مولا علی پاک رضی اللہ عنہ کا خون شامل تھا اور وہ علی مع القرآن کی ہی ایک تفسیر تھے۔

علی رضی اللہ عنہ قاری علی رضی اللہ عنہ قرآنِ ناطق
علی رضی اللہ عنہ کا نُور بر نوکِ سناں ہے

قرأتِ قرآن

قرآن کریم کی سات مشہور قرأتوں میں سے ایک معروف اور رائج قرأتِ عاصم ہے۔ اس قرأت کو تمام مسلمین نے صحیح ترین اور معتبر ترین قرأت مانا ہے اور اس قرأت کا سلسلہ مولا علی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اس لیے کہ عاصم نے یہ قرأت ابوعبدالرحمٰن سے سیکھی اور ابوعبدالرحمٰن نے اس کے لیے امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیے۔

اس طرح قرآن کی قرأت کے بارے میں بھی مولا علی علیہ السلام نے اپنا فرض نبھایا تھا۔

رہا ہے سلسلۂ خیر اپنے شجرہ میں
نہیں ہے عشق سے دل کا معاملہ پہلا
علی رضی اللہ عنہ کے عشق میں تم موت سے ڈراتے ہو
ہمیں تو مرنا بھی لگتا ہے مرحلہ پہلا

کتابتِ قرآن

قرآن مجید کی کتابت بھی اک رنگِ وابستگی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن کا ساتھ ایسے دیا کہ کتاب المصاحف میں ابن ابی داؤد نے جمع علی بن ابی طالب کے نام سے ایک عنوان باندھا ہے اور اسی میں یہ روایت بیان کی ہے جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مولا علی علیہ السلام نے یہ قسم کھالی تھی کہ اس وقت تک اپنی چادر نہ اوڑھیں گے جب تک قرآن جمع نہ کر لیں، اسی مقصد کی خاطر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں بھی تاخیر ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر بتایا کہ میں قرآن کی کتابت وخطاطی وتدوین وتالیف میں مصروف تھا۔

روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

فأرسل إليه أبو بكر بعد أيام أكرهت أمارتي يا أبا الحسن؟ قال: لا والله إلا أني أقسمت أن لا أرتدي برداء إلا لجمعة، فبايعه ثم رجع

''پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ اے ابوالحسن! کیا آپ کو میری امارت ناگوار محسوس ہوئی ہے تو آپ نے کہا کہ اللہ کی قسم ہرگز ایسا نہیں ہے۔ معاملہ یہ ہے کہ میں نے اللہ کی قسم اُٹھائی تھی کہ میں اُس وقت چادر نہیں اوڑھوں گا جب تک کہ قرآن مجید سارا نہ لکھ لوں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اُن کی بیعت کی اور واپس لوٹ گئے''۔

جس نے قرآن مجید کی ایک آیت بھی لکھی ہو ہم اُس کی عظمت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں مگر کیا ادب واحترام سے یہ سوال پوچھنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ اُس علی پاک رضی اللہ عنہ کا مقام کیا ہوگا جو خود فرماتے ہیں جسے خطیب خوارزمی نے نقل کیا ہے:

''رسول اکرم ﷺ پر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ اس کو آپ ﷺ نے مجھے سکھایا اور لکھوایا اور میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور آپ نے اس کی تاویل وتفسیر وناسخ ومنسوخ مجھے بتایا''۔

نیز ابن حجر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد قرآن مجید کو ترتیب نزولی کے اعتبار سے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے جمع فرمایا: ابن کثیر، ابن ابی شیبہ اور ابن سعد کی گواہی بھی یہی ہے کہ سب سے پہلا مصحف جو اسلام میں جمع کیا گیا وہ مصحفِ علی ہے، اس بات سے یہ اضطراب بھی ختم ہو گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ترتیب توقیفی پر مصحفِ پاک کو جمع کیا مگر اس سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ترتیبِ نزولی پر قرآن مجید کو مکمل تحریر فرمایا: معذرت ومعافی کے ساتھ۔۔۔۔۔۔ کیا کتابتِ قرآن کی ایسی نسبت اور خدمت کسی اور کو بھی نصیب ہوئی؟

تمام کاتبین وحی کو سلام۔۔۔۔۔ مگر کوئی ایسا بھی ہے کہ جو یہ دعویٰ کرے کہ اُسے رسول اللہ ﷺ نے ہر آیت لکھوائی ہو

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے علی رضی اللہ عنہ کو یہ سند عطا فرمائی کہ میرا علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ قرآن کے ساتھ ہے اور ساتھ ہی رہے گا۔

علی رضی اللہ عنہ ہے حیدرِ کرار علی رضی اللہ عنہ ہے شیرِ خدا
علی رضی اللہ عنہ کے نام سے ہیبت زدہ ہے جور و جفا
علی رضی اللہ عنہ کی محبت مہر و محبت دلیلِ راہنما
علی رضی اللہ عنہ سے بغض کا مطلب فقط ہے قحطِ حیا

تفسیر وتفہیم قرآن

اس بات کو تو بدترین مخالفین بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ قرآنِ مجید کی تفسیر و تاویل کو جو علم اللہ ربّ العالمین نے حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا: وہ کسی کا حصّہ نہیں بن سکا۔ خود مولا علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان اس بات پر حجت ہے جسے ''الاستيعاب في معرفة الأصحاب''، الجرح والتعدیل اور طبقات الکبریٰ میں بیان کیا گیا ہے۔

سلونی عن کتاب اللہ فانہ لیس من آیۃ الا و قد عرفت بلیل نزلت ام نھار ام فی سھل ام فی جبل

''مجھ سے قرآن کے بارے میں پوچھو، کیونکہ قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کے متعلق میں نہ جانتا ہوں کہ وہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو، میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر''۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

واللہ ما من حرف نزل علی محمد الا انی اعرف فیمن انزل و فی ای یوم و فی ای موضع

''خدا کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی ایسا حرف نازل نہیں ہوا، مگر میں اُسے جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں نازل ہوا، کس دن اور کس موقعہ پر نازل ہوا''۔

حفظِ قرآن

یہ بات درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات پاک میں ہی نزولِ قرآن کے ساتھ ہی غلامانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کریم کو حفظ اور یاد کرنے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ مگر سوال یہ ہے کہ پورے قرآن مجید کا پہلا مکمل حافظ کون ہے؟ اس کا جواب علامہ ابن ابی الحدید سے سُنیں۔ شرح نہج البلاغہ میں بیان کرتے ہیں:

اتفق الکل علی ان علیاً (علیہ السلام) کان یحفظ القرآن علی عھد رسول اللہ و لم یکن غیرہ یحفظہ

''اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہی قرآن کے حافظ تھے اور ان کے علاوہ کوئی دوسرا مکمل حافظ نہ تھا''۔

علی رضی اللہ عنہ کا علم علومِ تمام کا رہبر
علی کا نقشِ قدم خاص و عام کا رہبر

تاویل وتنزیلِ قرآن

حضرت علی پاک رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ رسالت سے قرآن کے ساتھ ہونے کا جو اعزاز اور منصب ملا، اس کی ایک جہت تاویلِ قرآن پر جہاد ہے۔ آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کہ حدیث و تاریخ و سیرت کی بہت سی کتب میں موجود ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُولُ: إِنَّ مِنْكُمْ مَنْ يُقَاتِلُ عَلَى تَأْوِيلِ الْقُرْآنِ كَمَا قَاتَلْتُ عَلَى تَنْزِيلِهِ. قَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَنَا هُوَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: لَا. قَالَ عُمَرُ: أَنَا هُوَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: لَا وَلَكِنْ خَاصِفُ النَّعْلِ. قَالَ: وَكَانَ أَعْطَى عَلِيًّا رضی اللہ عنہ نَعْلَهُ يَخْصِفُهَا

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ تم میں سے ایک ایسا عظیم شخص بھی موجود ہے جو قرآن مجید کی تاویل پر ایسے ہی جہاد کرے گا جیسے میں نے تنزیل قرآن پر جہاد کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا وہ میں ہوں؟ ارشاد فرمایا کہ نہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا وہ میں ہوں؟ پھر ارشاد فرمایا کہ تم بھی نہیں بلکہ وہ تو نعلین کو گانٹھنے والا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نعلین شریفین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گانٹھنے کے لیے دیے ہوئے تھے''۔

ہمیں کچھ نہیں کہنا، ہمیں کچھ اور نہیں بتانا بلکہ فقط اور فقط ہر باضمیر اور باشعور شخص کے دماغ اور دل پر دستک دینی ہے۔۔۔۔۔

کہ سمجھ لیجیے، جان لیجیے، ضد نہ کیجیے، تعصب کو خیر باد کہہ دیجیے۔۔۔۔۔

کہ اسی میں خیر ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ہی وہ ہستی ہے کہ جنہیں کتاب اللہ سے وہ نسبت اور تعلق حاصل ہے جو کسی اور کو میسر نہ آسکا۔

تلاوتِ قرآن میں سب سے آگے۔۔۔۔۔علی رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ
فنِ قرأت کا بادشاہ و شہنشاہ۔۔۔۔۔علی رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ
کتابتِ قرآن میں مقدم۔۔۔۔۔علی رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ
تفسیر و تفہیم قرآن کا سلطان۔۔۔۔۔علی رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ
تاویلِ قرآن کا مجاہد۔۔۔۔۔علی رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ
یہی تعبیر و تفسیر ہے کہ علی رضی اللہ عنہ قرآن کے ساتھ ہے

قرآن بیان ہے تو علی رضی اللہ عنہ مبین ہے
قرآن ہدایت ہے تو علی رضی اللہ عنہ ہادی ہے
قرآن صامت ہے تو علی رضی اللہ عنہ ناطق ہے
قرآن مبین ہے تو علی رضی اللہ عنہ امام مبین ہے

قرآن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ

یہاں بھی یہ سوال اہم ہے کہ قرآن مجید تو ہر شے کا مفصّل بیان ہے مگر بالخصوص اُسے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ منسلک کر دینا سمجھنے سے تعلق رکھنے والی بات ہے۔ اللہ کی کتاب قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ہدایت نامہ بن کر اُتری۔ یہ وہ آخری اور عظیم الشان وحی ہے کہ جس کا ذکر پہلی نازل ہونے والی کتابوں میں بھی کیا گیا۔ جس کا ایک حرف بھی با ارادہ تلاوت کیا جائے تو مالکِ لم یزل دس نیکیاں عطا فرما دیتا ہے۔ قیامت تک آنے والے اربوں کھربوں انسانوں میں سے صرف ایک کے بارے میں یہ بشارت دینا کہ کتاب اللہ اس کے ساتھ ساتھ رہے گی اگر چہ کہا تو یہی جاتا ہے کہ بندے کتاب اللہ کے ساتھ دیتے ہیں مگر یہاں ترکیب تبدیل ہوئی اور فرمایا کہ کتابِ مجید مولا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہی گی۔ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس جہت کی تفہیم کے لیے درج ذیل نکات قائم کیے جا رہے ہیں۔

قرآن اور قصیدۂ حضرت علی رضی اللہ عنہ

کلام مبین امام مبین کا ساتھی ہے اور دوست اپنے سچے اور حقیقی دوست کا بار بار محبت سے ذکر کرتا ہے، اسی لیے کتابِ حق بار بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتی ہے۔ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے تاریخ الخلفاء میں دو ایسی روایات ابن عساکر کے حوالے سے بیان کی ہیں جو اس بات کی شاہد ہیں:

وأخرج ابن عساكر عن ابن عباس قال: ما نزل في أحد من كتاب الله تعالى ما نزل في علي

''ابن عساکر نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ اللہ کی کتاب میں کسی اور کے بارے میں اتنی آیات نازل نہیں ہوئیں جتنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں''۔

وأخرج ابن عساكر عن ابن عباس قال: نزلت في علي ثلاث مائة آية

''اور ابن عساکر ہی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے قرآن مجید کی تین سو آیات نازل ہوئی ہیں''۔ (تاریخ الخلفاء، صواعق المحرقہ)

قرآن کا فیضِ محبتِ علی رضی اللہ عنہ میں

محاورہ مشہور ہے کہ دوست کا دوست دوست ہوتا ہے اور دوست کا دشمن دشمن تصور کیا جاتا ہے۔ قرآن بھی اسی معنیٰ میں مولا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھی ہے۔ قرآن مجید کسی ایسے شخص پر اپنے اسرار نہیں کھولتا جس کے دل میں محبتِ علی کرم اللہ وجہہ الکریم رچ بس نہ گئی ہو۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشہور قول مبارک ہے:

عِلمِ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ كُلُّهُ فِي القُرآنِ وَعِلمِ القُرآنِ كُلُّهُ فِي الفَاتِحَةِ وَعِلمِ الفَاتِحَةِ كُلُّهُ فِي بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ وَعِلمِ البَسمَلَةِ كُلُّهُ فِي بَائِهَا وَ اَنَا النُّقطَةُ تَحتَ البَاء

''ماکان و مایکون'' کا تمام علم قرآن مجید میں ہے اور قرآن کا تمام علم سورۂ فاتحہ میں ہے اور سورۂ فاتحہ کا تمام علم ''بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ'' میں ہے اور ''بسم اللہ'' کا تمام علم اس کی ''با'' کے نقطے میں اور میں بائے ''بسم اللہ'' کا نیچے والا نقطہ ہوں''۔

قرآن کو وہی سمجھ پائے گا جو ''نقطۂ با'' سے ہوتا ہوا ''با'' تک پہنچے اور پھر ''با'' کے توسل سے وہ الف تک رسائی حاصل کرلے۔ یعنی دہلیزِ علی پاک علیہ السلام سے بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضری وحضوری نصیب ہوتی ہے اور محبوب ربّ العالمین ﷺ کی توجہ بندۂ عاصی کو وحدہ لاشریک لہ ربّ کے دربار تک پہنچا دیتی ہے مگر جو ''نسبتِ نقطۂ با'' سے محروم ہوا گویا وہ ہر شے سے ہی محروم رہ گیا، اسی لیے تو حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ''رموزِ بیخودی'' میں بائے بسم اللہ کا ذکر یوں کرتے ہیں:

آں امامِ عاشقاں پُورِ بتُول رضی اللہ عنہما
سَروِ آزادے زِبُستانِ رسُول ﷺ
اللہ اللہ بائے بِسم اللہ پدر رضی اللہ عنہ
معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر رضی اللہ عنہ

''وہ عاشقوں کے اِمام (امام حسین رضی اللہ عنہ) حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے فرزند اور رسولِ کریم ﷺ کے باغ کے ایک سروِ آزاد ہیں۔ سبحان اللہ، کیا کہنے، باپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) بسم اللہ کی ''با'' ہیں تو بیٹا ذبحِ عظیم کی شرح ہے''۔

قرآن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تائید میں

یوں تو سارے کا سارا قرآن ہی حق ہے۔ قرآن مجید کے لفظ، حرف، زیر، زبر، پیش، شد مد سبھی کچھ حق بھی ہے اور حق کے ساتھ بھی ہے۔ قرآن حق کو واضح بھی کرتا ہے، حق کا ساتھ دینے والوں کا بشارت اور حق کا ساتھ چھوڑنے والوں کو سخت وعید بھی سناتا ہے۔ لہٰذا قرآن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایسا ساتھی ہے کہ جس نے کبھی کسی بھی موقع پر اپنے دوست، اپنے ساتھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اس فرمانِ رسول کریم ﷺ میں بھی یہی بات واضح کی گئی ہے۔ جب مولیٰ ابوذر نے اُمّ المؤمنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا سے مولا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پیدا ہونے والے وسوسے اور پھر اللہ ربّ العالمین کے کرم سے اُس وسوسہ کے دور ہونے کا ذکر کیا تو حضرت سیدتنا اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے انہیں یقین دلایا کہ قرآن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے اور اس بات کی ضمانت اور خوشخبری خود رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائی ہے۔

قرآن نیزوں پر اُٹھانے والوں نے قرآن کو آڑ بنا کر حق کو چھپانا چاہا مگر قرآن نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا۔۔۔۔

نہروان والوں نے قرآنِ پاک کی تحکیم کے پردے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مؤقف سے بغاوت کیا تو قرآن نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا۔۔۔۔۔ایک سچے دوست اور ساتھی کی طرح قرآن مجید ہمیشہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی رہا۔۔۔۔

علی رضی اللہ عنہ کی سیری کو نان جویں ترستا ہے
علی رضی اللہ عنہ کے خوف سے خیبر کا در شکستہ ہے
علی رضی اللہ عنہ کی خاکِ قدم خلدِ نو کا رستہ ہے
علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر نُورِ حق برستا ہے

قرآن اور علی رضی اللہ عنہ کا دائمی ساتھ

زیرِ مطالعہ فرمانِ رسول ﷺ کا تیسرا حصّہ یہ ہے کہ قرآن مجید اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ رشتہ دائمی ہے۔ حالات کی سختی، ماحول کا جبر، حکمرانوں کا ظلم وتشدد، وقت کی چیرہ دستیاں اس دوستی کو کبھی بھی ختم نہیں کر پائیں گی۔ وقت کوئی ہو، حالات کیسے بھی ہوں، صدی کوئی سی بھی آجائے، کوئی بھی حاکم ہو، کوئی بھی زمانہ ہو، کوئی بھی موسم ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کبھی بھی قرآن کو نہیں چھوڑیں گے اور قرآن مجید بھی کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جدا نہیں ہوگا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ آقا کریم ﷺ کی نگاہِ غیب میں قیامت تک کا منظر نامہ تھا اور ابھی مشاہدہ فرما رہے تھے کہ قرآن کے نام پر اُٹھنے والی کتنی ہی جماعتیں اور تحریکیں اصل میں قرآن ہی کے خلاف ہوں گے، لوگ قرآن کو اپنے دنیاوی مقاصد کے حصول کے لیے استعمال بھی کرتے رہیں گے، مگر صرف یہ اولادِ علی رضی اللہ عنہ ہی ہوگی جو قرآن مجید کے ساتھ بے لوث اور مخلص بن کر کھڑی رہے گی۔ وہ زمانے کی مخالفتوں کی پرواہ نہیں کریں گے۔

حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ زہر تو پی لیں گے مگر قرآن کی دوستی نہیں چھوڑیں گے۔ امام حسین پاک رضی اللہ عنہ اپنی جان سے لے کر امام علی اکبر و امام علی اصغر تک سب کو قربان کردیں گے مگر قرآنی اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ دربارِ دمشق جب دخترِ علی رضی اللہ عنہ کی آواز گونجے گی تو وہ قرآنی وعیدوں کے وہ تازیانے ہوں گے جو قیامت تک ہر آنے والی یزیدی فکر کو زخمی کرتے رہیں گے۔ زین العابدین و باقر و جعفر و رضا و موسیٰ کاظم و امام تقی و نقی و عسکری پاک رضی اللہ عنہم سے ہوتے قافلہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ تک پہنچے گا اور ساری دُنیا میں پھیل جائے گا۔ یہاں تک کہ قربِ قیامت اولادِ علی رضی اللہ عنہ ہی سے بطلِ جلیل مہدی پاک پیدا ہوں گے اور عالمی سطح پر چار سُو قرآن کے نغمے جاری ہوجائیں گے۔ اولادِ علی رضی اللہ عنہ کبھی بھی قرآن کا ساتھ نہیں چھوڑے گی۔

قرآن مجید نے بھی کبھی اولادِ علی پاک رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں چھوڑا، یزیدی ہوں، خوارج ہوں، ناصبی ہوں، رافضی ہوں یا پھر کوئی بھی راہِ حق سے بھٹکی ہوئی جماعت و تحریک ہو، کتاب اللہ ہمیشہ اولادِ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ رہے اور لوگوں نے بہت

کوشش کی کہ قرآن پاک کی آیات کی تفسیر وتاویل وتشریح ایسے کی جائے کہ قرآن علی ؓ سے جُدا دکھائی دے مگر قرآن نے کبھی بھی کسی ایسے مفہوم کو قبول نہ کیا۔

جناب ہماری نہ سُنیں، ہماری نہ مانیں مگر امامِ عاشقاں مولانا روم علیہ الرحمہ کی بات پر توجہ دیں:

شاہم علی المرتضیٰ ؓ ، بعدش حسن ؓ
نجم السما خوانم حسین کربلا ،اللہ مولانا علی ؓ

علی المرتضیٰ ؓ میرے بادشاہ ہیں جن کے بعد امام حسن ؓ چرخ ولایت کے روشن ستارے ہیں۔ بعدازاں حسین ؓ شہید کربلا میرے امام ہیں۔

سبحان اللہ ہمارے مولا علی ؓ ہیں۔

آں آدم آل عبا ،دانم علی ؓ زین العبا
ہم باقر ؓ و صادق ؓ گوا ، اللہ مولانا علی ؓ

امام علی زین العابدین ؓ آدم آل عبا ہیں جس پر امام محمد باقر ؓ و امام جعفر ؓ صادق گواہ ہیں۔ سبحان اللہ ہمارے مولا علی ؓ ہیں۔

موسیٰ کاظم ؓ ہفتمیں ، باشد امام و رہنما
گوید علی موسیٰ رضا ؓ ، اللہ مولانا علی ؓ

ساتویں امام حضرت موسیٰ کاظم ؓ ہمارے امام و رہنما ہیں۔ حضرت امام علی موسیٰ رضا ؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ سبحان اللہ ہمارے مولا علی ؓ ہیں۔

سوئے تقی ؓ اے نقی ؓ در مہر او عہدے
بخواں باعسکری ؓ راضی بگو ، اللہ مولانا علی ؓ

حضرت امام محمد تقی ؓ وحضرت امام علی نقی ؓ کی محبت کا اقرار کر اور حضرت امام حسن عسکری ؓ کو تسلیم کرلے اور یہ کہہ سبحان اللہ ہمارے مولا علی ؓ ہیں۔

مہدی ؓ سوار آخریں برخصم بکشاید کمیں
خارج شود زیر زمیں ، اللہ مولانا علی ؓ

حضرت امام مہدی ؓ آخری امام ہیں۔ حجاب غیب سے نکل کر دشمنوں پہ حملہ کریں گے اور خوارج کو زیر زمیں کردیں گے۔ سبحان اللہ ہمارے مولا علی ؓ ہیں۔

تخم خوارج در جہاں ناچیز وناپیدا شود
آں شاہ چوں پیدا شود ، اللہ مولانا علی ؓ

جب وہ بادشاہ تشریف لائیں گے تو خوارج کا بیج زمانے سے نیست ونابود ہو جائے گا۔ سبحان اللہ ہمارے مولا علی ؓ ہیں۔

اقرار کن ، اظہار کن ،مولائے رومی ایں
سخن ہر لحظہ سر من لدن ، اللہ مولانا علی ؓ

اے مولانا رومی خزائن غیبی سے عطا کردہ عقیدے کا اقرار و اظہار کر کہ سبحان اللہ ہمارے مولا علی ؓ ہیں۔

حوضِ کوثر پر ملاقات

روزِ محشر کے کئی مراحل ہوں، میزان پر اعمال کا وزن کیا جائے گا، پُل صراط سے گزرنا ہوگا، سورج کی گرمی سے پریشان مخلوقِ خدا ہوگی، لوگ مقامِ محمود پر جمع ہوں گے مگر قرآن اور حضرت علی ؓ کو مل کر حوضِ کوثر پر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ سوال تو دلچسپ ہے کہ آخر قیامت میں کسی اور مقام پر اس ملاقات کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اس ملاقات کو حوضِ کوثر کے ساتھ منسلک فرمایا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ باقی ہر مقام پر آزمائش وامتحان کا مرحلہ درپیش ہوگا مگر حوضِ کوثر پر رحمتوں کا بحرِ بے کنار موجزن ہوگا۔ ہر آزمائش وامتحان کے بعد حوضِ کوثر پر اس ملاقات کا مطلب شاید یہی ہے کہ دُنیا وقیامت کی ہر آزمائش میں قرآن اور میرا علی ؓ ساتھ ساتھ رہیں گے اور ہر امتحان سے کامیابی سے گزر جانے کے بعد شادمانی ومسرت سے دونوں میرے پاس آئیں جو اس بات کی دلیل ہوگا کہ جس مقصد اور ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو آپس میں جوڑا تھا وہ دونوں نے مل کر پورا کردیا۔ حضرت علی ؓ نے قرآن کی محافظت کا حق ادا کردیا اور قرآن نے مقام و منصب علی ؓ کی حفاظت کی۔

علی ؓ جمالِ محمد ، علی ؓ جلال خدا
علی ؓ کمالِ شجاعت علی ؓ وقارِ وفا
علی ؓ ظہورِ حقیقت علی ؓ نشانِ ھُدیٰ
علی ؓ شہید محبت علی ؓ دلیلِ حیا
مرا رسالۂ اکرام ہے زنامِ علی ؓ
علی ؓ امامِ من است و منم غلامِ علی ؓ

صاحبو!

جس بدن کو تم سجا سجا کر رکھتے ہو۔۔۔۔۔جس پر تم زرق برق لباسوں کے غلاف چڑھاتے ہو۔۔۔۔۔جن سروں کو تم پیچ در پیچ عماموں سے مزین کرتے ہو۔۔۔۔۔جس رخ رونق کی زیب وزینت پر تم سینکڑوں خواہشیں لٹاتے ہو۔۔۔۔۔جن آنکھوں کو تم سرمگیں وجذب گیں رکھنے کے اہتمام کرتے ہو۔۔۔۔۔جس ماتھے کو تم پرکشش بنانے کے لیے جھومر سجاتے ہو۔۔۔۔۔کبھی سوچا ان کی سب رونقیں زندگی سے ہیں۔۔۔۔۔زندگی نہ ہو تو پھر آنکھ نہیں مٹی کا ڈھیلا ہے۔۔۔۔۔ماتھا نہیں لکڑی کی تختی ہے۔۔۔۔۔سر نہیں لخت سنگ ہے۔۔۔۔۔بدن نہیں، بوسیدہ ہڈیوں کا پنجر ہے اس لیے بناتے ہی ہو، سنوارتے ہی ہو اور زیب و زینت کے مشتاق ہی ہو، تو زندگی کو سنوارو۔۔۔۔۔اس کا میک اپ کرو۔۔۔۔۔اسے مزین کرو اور یاد رکھو کہ زندگی نہیں بنتی۔۔۔۔۔زندگی نہیں سنورتی۔۔۔۔۔زندگی نہیں آراستہ ہوتی اور زندگی کا چہرہ حسن کے غازہ سے نہیں چمکتا، بجز اس کے اسے اسلام کا غسل دو۔۔۔۔۔اسے اسلام کے رنگ میں رنگو اور اسے اسلام کے آب صافی سے دھو، پیارو! اسے ضائع نہ کرو۔۔۔۔۔اسے بے کشش اور مجبور نہ رکھو۔۔۔۔۔اسے بناؤ بناؤ، سلجھاؤ سلجھاؤ سلجھاؤ اور یہ فضول کاموں سے نہیں بنتی، نہیں سلجھتی، اس کے حسن کا راز اسی میں ہے کہ اسے با خدا بناؤ اور با مصطفیٰ ﷺ بناؤ۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: نائس بیکرز اینڈ سویٹس ہاؤس

مغربی دنیا کی اقوام ہم سے بہتر ہیں؟

پروفیسر ڈاکٹر محمد اظہر نعیم

یورپ کے چند ملکوں کا دورہ کرنے کے بعد انتہائی اختصار کے ساتھ اپنے تاثرات تحریر کیے ہیں، ضروری نہیں آپ اس سے اتفاق کریں

جن لوگوں نے مغربی دنیا کی سیر کی ہے یا وہاں قیام پذیر ہیں۔ ان میں سے اکثر مغربی اقوام کا مطالعہ سرسری نظر سے کرتے ہیں یا وہ خود اسی رنگ میں ڈھل جاتے ہیں، لہٰذا ان کی رائے اس قسم کی ہوتی ہے کہ ''بس انہوں نے کلمہ نہیں پڑھا مگر وہ مسلمانوں سے بھی بہتر مسلمان ہیں'' یا ایسے بھی کہا جاتا ہے کہ ''اصل اسلام تو مغربی دنیا میں ہے''۔

امسال راقم کو یورپ کے تین ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اس دوران درج بالا آراء کا بالغور مشاہدہ کرنے کی سعی کی ہے۔ یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ ہر معاشرے میں اچھے اور برے لوگ ہوتے ہیں اسی طرح ہر سوسائٹی میں اچھی اور بری روایات ہوتی ہیں اور یورپی دنیا بھی اسی طرح امعاشرہ ہے۔ جو اچھے امور اور روایات ہیں یقیناً قابل تحسین ہیں۔ مگر یہ کہہ دینا کہ وہ بہتر مسلمان یا مسلمانوں سے بہتر ہیں۔ عجیب سی بات ہے۔ جن امور کو دیکھ کر ہمارے دانشور انہیں مسلمانی کا سرٹیفکیٹ دیتے ہیں۔ آئیے ان پر تھوڑی سی روشنی ڈالتے ہیں۔

قابل تعریف امور

1۔ صفائی کا نظام

آپ جانتے ہیں کہ اسلام صفائی اور طہارت کو نصف ایمان قرار دیتا ہے۔ یورپ کے اکثر ممالک میں صفائی کا نظام بہت اعلیٰ ہے۔

گلی، محلہ، بڑی شاہراہ یا کسی پارک میں چلے جائیں۔ بالکل صاف ستھرا نظر آئے گا، کہیں کاغذ، شاپر یا ٹشو پیپر کا پرزہ تک نظر نہیں آئے گا، کہیں کوڑہ کرکٹ یا گندگی ڈھیر نہیں ملے گا۔ اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ کارندے ہمہ وقت صفائی میں مشغول ہوتے ہیں۔ یقیناً ان کے اوقات مقرر ہیں اور وہ اپنی ڈیوٹی خوش اسلوبی سے نبھاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگ خود صفائی کا خیال رکھتے ہے اور ہر مناسب جگہ پر مختلف اشیاء پھینکنے کے لیے ڈسٹ بن موجود ہوتی ہیں اور لوگ ان کو استعمال کرتے ہیں حتیٰ کہ اکثر لوگ کتوں کو لے کر باہر نکلتے ہیں تو ان کے بول براز کے لیے شاپر وغیرہ اپنے پاس رکھتے ہیں۔ صفائی کا خیال رکھنے کی بچپن سے ان کی تربیت ہے دوسرے قانون کی عملداری ہے، یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہوگا کہ وہ لوگ جس قدر بیرونی صفائی کا اہتمام کرتے ہیں ذاتی پاکیزگی اور طہارت کا ان کے ہاں تصور بھی شائد نہیں ہے۔

2۔ قانون کی عمل داری

قانون کا احترام کرتے ہوئے جب مغربی لوگوں کو دیکھتے ہیں تو گمان ہوتا ہے کہ وہ بہت باشعور اور ذمہ دار شہری ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہاں قانون کی سختی سے عمل داری ہے اور قانون سب کے لیے کے مصداق، قانون سے بالا کوئی نہیں۔ قانون کا شکنجہ بہت سخت ہے۔ ہم یہاں ٹریفک کی مثال لیتے ہیں۔ آپ کو پولیس شاذ و نادر ہی نظر آئے گی مگر کسی کی مجال نہیں کہ ٹریفک قانون کو کوئی توڑے۔ کمپوٹرائزڈ سسٹم ہے۔ ذرا سی غلطی پر جرمانہ آپ کے بنک سے اخذ کر لیا جاتا ہے اور پھر لائسنس کینسل بھی ہو سکتا ہے، اسی لیے دوسرے ممالک سے آنے والے افراد بھی ٹریفک قوانین احترام کرتے نظر آئیں گے۔

3۔ صحت اور تعلیم

ان ممالک میں ٹیکس زیادہ ہیں۔ بعض ممالک میں چالیس فیصد سے بھی زائد ٹیکس لیا جاتا ہے اور ہر فرد بخوشی ٹیکس ادا کرتا ہے کیونکہ اس کے بدلے جو سہولیات مملکت دیتی وہ کہیں زیادہ ہیں۔ جن میں سرفہرست تعلیم اور صحت ہیں۔ بچوں کی تعلیم فری اور تمام تر میڈیکل سہولیات ہر شہری کا حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک شخص سڑک کنارے بیمار پڑا ہے۔ اس کو اٹھا کر ہسپتال لے جایا گیا اور جب تک مکمل صحت یاب نہیں ہوتا فارغ نہیں کیا گیا۔ اگرچہ اسے علاج کی فری سہولیات میسر نہیں تھیں۔ اس نے مجھے مسلمانوں کے سنہری ادوار کی یاد تازہ کردی۔ آپ جانتے ہیں کہ دنیا کا پہلا اسپتال بنانے کا سہرا مسلمانوں کے سر جاتا ہے۔ یہ ہسپتال 872ء میں مصر کے شہر قاہرہ میں احمد بن طالون کے نام سے قائم کیا گیا۔ اس میں طبیب اور نرسز مریضوں کے لیے موجود ہوتی تھیں جبکہ ساتھ ہی طالب علموں کی ٹریننگ کے لیے ایک سینٹر بھی قائم تھا۔ یہاں مریضوں کا علاج بالکل مفت کیا جاتا تھا۔ برسبیل تذکرہ یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جدید طب کی بنیاد بھی مسلمانوں نے ہی رکھی تھی اور مغرب نے یہ علوم مسلمانوں سے ہی سیکھے ہیں۔ بیسویں صدی عیسوی کے عربی طب کے مؤرخ ڈاکٹر ڈونلڈ کیمپل رقم طراز ہیں:

> ''یورپی نظام طب کی نہ صرف اصل عربی ہے بلکہ اسکی تشکیل بھی عربی ہے علم و دانش میں یورپی اقوام کے آباؤ اجداد عرب ہی تھے''۔

4۔ بوڑھے اور معذور افراد کی دیکھ بھال

یہ امر بھی قابل ستائش ہے کہ یورپی اقوام سینیر سٹیزن، معذور اور بے روزگار افراد کی دیکھ بھال کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتی ہیں۔

معذوروں، بے روزگاروں اور عمر رسیدہ افراد اور بچوں کی دیکھ بھال کے لیے وظائف مقرر کیے جاتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ایسے احکام جاری کیے تھے اور مغربی دنیا نے اس کو خوبصورتی سے اپنایا ہے۔ ناروے میں تو عمرلاء کے نام سے یہ قانون نافذ ہے۔ اس ضمن میں ایک صاحب یورپ کے کسی ملک کی ایک مثال دے رہے تھے کہ ایک غریب شخص کے ہاں معذور بچہ پیدا ہوا تو حکومت کی طرف سے اس کو بچے کی خدمت کے لیے مختلف سروسز مہیا کی گئیں اور جو والدین ڈیوٹی کر رہے تھے، ان کو بھی باقاعدہ تنخواہ دی جارہی تھی۔ دو بچے اور معذور پیدا ہوئے تو اسی طرح خدمات کا صلہ دیا جاتا رہا اور ایک کشادہ گھر بھی فراہم کیا گیا۔ ایسے امور یقیناً قابل تحسین ہیں لیکن یاد رہے کہ ایسے امور اسلامی تعلیمات

سے ہی اخذ کیے گئے ہیں۔ تقی الدین مقریزی نے لکھا ہے کہ باضابطہ سب سے پہلا شفا خانہ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے بنایا تھا، جس میں بالخصوص نابیناؤں اور جذامیوں کا علاج ہوتا تھا اور اطباء کو معقول وظیفہ دیا جاتا تھا، (تاریخ بیمارستان فی الاسلام ص: ۱۰) عباسی دور حکومت میں بغداد، دمشق اور قاہرہ میں بڑے بڑے ہسپتال بنائے گئے، اس وقت اہلِ مغرب کی ناواقفیت کا یہ عالم تھا کہ وہ پاگلوں کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑتے اور مارتے تھے، جب کہ اہل عرب اپنے ہسپتالوں میں ایسے مریضوں کا باقاعدہ علاج کرتے تھے۔

قابل مذمت امور

1۔ بے حیائی، بے ہودگی

جہاں ان کی اچھائیاں ہیں وہاں ایسے بُرے امور ہیں جو ان کی تمام تر خوبیوں پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ جیسے کہ بے حیائی، بے ہودگی، جنسی بے راہ روی اور ہم جنس پرستی۔ یہ ایسے ناسور ہیں جنہوں نے اس سوسائٹی کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔ خاندانی نظام تو تباہ ہو ہی گیا تھا۔ اب بچوں کے والدین کی شناخت بھی مسئلہ بن گیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ہم جنس پرستی جیسی خرافات کو قانونی تحفظ دے کر بے حیائی کی تمام حدیں پار کر دی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ہلاک کرنا چاہے تو اس سے شرم و حیا چھین لیتا ہے“ اور مغربی معاشرہ تباہی کے دہانے پر ہے۔ یہاں صنف نازک کو مردوں کا کھلونا بنا کر رکھ دیا ہے اور اب حالت یہ ہے کہ مغربی معاشرے میں بے حیائی اور بے ہودگی کے طوفان پر اب تو وہ خود بھی چیخ پڑے ہیں۔ کچھ سال قبل ستائیس ممالک کی تنظیم یورپی یونین میں اس ضمن میں ایک رپورٹ پیش کی گئی جس پر ڈچ ممبر خاتون نے کہا کہ:

”وقت آ گیا ہے کہ میڈیا کے ذریعے پھیلائی جانے والی ہر قسم کی فحاشی پر مکمل پابندی عائد کی جائے“۔

اور برطانوی رکن پارلیمنٹ فلوایلا بنجامن کا کہنا تھا:

”مرد خواتین کو اوچھی حرکتیں کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہاں عورت کو محض نمائش کی شے سمجھ لیا گیا ہے۔ ہمیں عورت کو شوپیس سمجھنے والوں کی سوچ کو بدلنا ہے“۔

انہوں نے مزید کہا:

”میرے پاس اس بات کا جواب موجود نہیں کہ ہم کس طرح عورت کو اس کی کھوئی ہوئی عزت واپس دلاسکیں گے یا اپنے بچوں کو بے حیائی کے اس چنگل سے کیسے آزاد کرا سکیں گے“۔

ہمارا خیال ہے کہ وہ اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ واپسی تقریباً ناممکن نظر آتی ہے۔ اسی لیے ان کے سنجیدہ اور فہم و فراست والے دانشور سمجھتے ہیں کہ واپسی کا ایک ہی راستہ ہے کہ اسلام کے دامن رحمت میں پناہ لے لی جائے۔

2۔ شراب نوشی، جوا اور سودی کاروبار

متذکرہ تینوں امور اسلام میں حرام ہی نہیں بلکہ اس پر سخت وعیدیں ہیں اور دنیا اور آخرت میں شدید قسم کی سزائیں بتائی گئی ہیں لیکن مغربی معاشرے میں ان کا روزمرہ کھیل ہی نہیں بلکہ تجارت اور کاروبار اس سے منسلک ہیں۔ یہ امور بھی معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں۔ ام الخبائث شراب تو وہ پانی کی طرح استعمال کرتے ہیں، جو بہت سی دیگر برائیوں کی طرف انسان کو کشاں کشاں لے جاتی ہے اور سود تو اللہ سے جنگ قرار دیا گیا ہے۔ یاد رہے ان امور کی ممانعت صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہے اگرچہ مخاطب مسلمان ہیں مگر پوری نوع انسانی کے لیے یہ قوانین ہیں۔

3۔ اخلاق (مورالٹی) اور انسانیت سوزی

ایک اور پہلو اور وہ ہے انسانی زندگی کی بہترین تنظیم اور اعلیٰ شہریت کا احساس، انسان کی بحیثیت انسان قدر نظر آتی ہے۔ سوسائٹی کے افراد گھٹیا قسم کی بداخلاقیوں سے اعراض کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ بھی قابل تعریف ہے۔ اگرچہ ان کے اخلاق زیادہ تر کاروباری (بزنس ایتھکس) ہیں۔ دوسری طرف اعلیٰ قسم کی بداخلاقیوں اور بلند معیار کی بے اصولیوں کو وہ شاید جائز سمجھتے ہیں اور افراد کی بجائے اقوام اور ممالک کے ساتھ ناانصافیاں کرتے ہیں۔ پسماندہ اقوام کو لڑا کر اور غریب ممالک کو تباہ کر کے اپنی تجارت کو خوب فروغ دیتے ہیں۔ منافقت کا عجیب منظر ہے۔

جہاں تک انسانیت کا تعلق ہے۔ جس کے بارے میں عمومی خیال کیا جاتا ہے کہ ان اقوام میں انسانیت اور حقوق انسانی بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں حالانکہ اگر آپ غور سے مطالعہ کریں تو آپ شائد اس نتیجہ پر پہنچیں کہ وہ انسانوں کی نسبت جانوروں اور کتوں بلوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ان کا کتا مرجائے تو صف ماتم بچھا لیتے ہیں اور انسانوں کا قتل عام بھی ان کے نزدیک ڈپلومیسی ہے۔

وہ لوگ جو مغرب کو اعلیٰ اخلاق کا حامل قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک اخلاق گنی چنی دو چار چیزیں ہیں، کاروبار میں ایمان داری، جھوٹ نہ بولنا، دوسروں کے ساتھ نرمی سے بات کرنا اور برداشت۔ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا اخلاقیات ناپ طول میں کمی نہ کرنے اور ایک دوسرے کو بزنس میں دھوکہ نہ دینے تک ہی محدود ہیں۔ کیا وہ بیوی جو جنسی تعلق میں شوہر کو دھوکہ دیتی ہے۔

بزرگوں سے بدتمیزی اور گستاخانہ رویہ، والدین سے بدسلوکی، دوسروں کو حقیر سمجھنا کیا یہ اخلاقی برائیاں نہیں ہیں جو مغربی دنیا میں عام پائی جاتی ہیں۔ مغرب کے جو مرد اپنی بیوی کو دھوکہ دیتے ہیں کیا یہ دھوکہ نہیں ہے۔ میڈیا اور سوشل میڈیا پر جھوٹا پروپیگنڈہ خصوصاً مسلمانوں کے بارے میں، کیا یہ اخلاقیات سے گرے ہوئے امور نہیں ہیں۔

4۔ کرپشن، کک بیک، تحفے تحائف

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی سوسائٹی کرپشن وغیرہ سے پاک ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اپنے وزٹ کے دوران کئی ایک بزنس پرسنز سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہاں بھی کرپشن اور رشوت چلتی ہے لیکن تھوڑا فرق یہ ہے کہ نچلی سطح پر کافی حد تک کم ہے مگر بڑے کاروباری حلقوں میں کک بیک اور رشوت چلتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک ٹھیکیدار ایک کروڑ کا ٹھیکہ لیتا ہے تو اس میں پندرہ بیس فیصد اضافہ کرے گا اور وہ اتھارٹی کو دے جس کے طفیل اسکو یہ کام مل رہا ہے، البتہ ایک جو اچھی بات ہے وہ یہ کہ عموماً رشوت دینے کے باوجود کام کی کوالٹی پر کمپرومائز نہیں کرتے۔ علاوہ ازیں ڈپلومیسی کے نام پر تحفے تحائف اور سیر و سیاحت کے لیے ٹکٹ وغیرہ بھی دیے جاتے ہیں۔

5۔ فیملی لائف کا خاتمہ

یہ عام سی بات ہے کہ جب سوسائٹی ایک مشین بن جائے اور مرد و زن مشینی پرزوں کی مانند گھر سے باہر کام کریں تو خاندانی نظام تو متاثر ہو گا۔ خاندانی نظام کے درہم برہم ہونے کے شدید مضمرات ہیں خصوصاً بچوں کی تربیت اور دیکھ بھال دوسروں کے ذمہ ہو جاتی ہے لیکن اب آہستہ آہستہ اس کے نتائج دیکھتے ہوئے وہ واپسی کا سوچ رہے ہیں اور اگر کوئی خاندان اس ضمن میں آگے بڑھتا ہے تو حکومت اس کی بھرپور مدد کرتی ہے۔

بقیہ صفحہ 31 پر

پیر سید فیروز شاہ قاسمی کی رحلت پر کپکپاتے لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دھڑک رہا ہے دلِ آسمان شعلہ مزاج
اٹھا رہی ہے زمین دیدۂ قدر مزاج

کراچی برقی روشنیوں سے سیراب ہونے والا شہر ہی نہیں بلکہ انسانی عظمتوں اور تمدنی رنگینیوں کی بھی ایک دلچسپ وابستگی اس خاک دان سے ہے۔ میرے نزدیک تو رعنائیوں کی چھما چھم برستی بارش میں خوبصورت مرقع سید عبداللہ شاہ غازی علیہ الرحمہ کا مزار ہے۔ میرا ایک سالانہ سفر حضرت کے آستاں پر ہجوم عاشقاں کی ملاقات کے لیے ہوتا ہے۔ اس مرتبہ رنگ رومان سب ٹوٹ گئے سنا کہ پیر سید فیروز شاہ قاسمی کا وصال ہو گیا ہے۔ طبیعت اداس سے بھی زیادہ مضطرب ہوگئی۔ جب ان کی تدفین کی تصویر نظروں سے گزری۔

بزمِ انجم میں قبا خاک کی پہنی میں نے
اور میری ساری فضیلت اسی پوشاک سے ہے

سید فیروز شاہ جی کا ڈیرہ مولویوں اور مولائیوں کی دلکش آماج گاہ تھی۔ کریمے والوں کا ہجوم بھی حضرت کی گلی میں رہتا اور کرم والے بھی یہاں حیدر حیدر کرتے سنائی دیتے۔ سید عثمان شاہ فیروزی اپنے والد کی طرح دھیمے مزاج کے مضبوط آدمی ہیں۔ فروزیوں کی یہ بستی اسلام کا قلعہ ہے اور غریبوں مسکینوں کے لیے یہ طاق نصرت ہے۔ سید فیروز شاہ صاحب سے ایک ملاقات ہوئی تو آپ نے میری بچھڑی ہوئی ایک جماعت کا ذکر کرنا چاہا، میں نے بات بدلی اور پوچھ لیا شاہ جی محبت کیا چیز ہوتی ہے؟ آپ فرمانے لگے: محبت کی بس تعریف یہ ہے کہ وہ محبت ہوتی ہے جس کو نہ ہو وہ بھی مارا گیا اور جس کو ہو جائے وہ بھی مارا گیا۔

شاہ جی نئے زمانے کے ایک پرانے آدمی تھے۔ میں کہہ سکتا ہوں: ''اللہ ان کی مغفرت کرے''۔ مستقبل میں ان کا عالی شان مقبرہ دل والے بوترابیوں کا مرجع ہوگا۔ اللہ کرے بے خبروں کو میری بات کی خبر نہ ہو گر نہ سادات کے تشریفی مراکز سے انجانوں نے اچھا سلوک نہ کیا۔ عثمان فیروزی سے شکوہ تو ہے۔ میرے شہر میں بھی میری محبت کو مجھ سے ملنے نہ دیا۔ صبر اور خوشیوں کی دعا تو آپ کا حق ہے۔

ربّ نگہبان!!!

ربّ راکھا!!!

سید ریاض حسین شاہ

مجاہدِ تحریکِ پاکستان، سالارِ تحریکِ ختمِ نبوت، صاحبِ تفسیر الحسنات

حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

ملک محبوب الرسول قادری

نیک اور پاکباز لوگ اللہ کا انتخاب ہوتے ہیں۔ ان کی سوچ، فکر اور معمولاتِ حیات ابتدا ہی سے قابلِ رشک اور لائقِ تحسین ہوتے ہیں۔ اگر اس فریم میں مجاہدِ تحریکِ پاکستان، قافلہ سالار تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء مفسرِ قرآن حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری قدس سرہ کی شخصیت کو رکھ کر اس کا مطالعہ کریں تو شخصیت خوب نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ وہ خانوادۂ سادات انور کی آبرو تھے۔ عالم باعمل تھے، مجاہد اور اسکالر تھے، سیاست دان تھے، سماجی شخصیت تھے، روحانی پیشوا تھے۔ جمعیت علمائے پاکستان کے بانی مرکزی صدر تھے۔ گویا شیخ الحدیث استاذ العلماء مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ مسجد وزیر خاں لاہور کی خطابت سے امام المحدثین مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ سبکدوش ہوئے تو سر ظفر علی ریٹائرڈ جج ہائی کورٹ و متولی مسجد وزیر خاں نے بڑے اصرار کے ساتھ منصب خطابت مولانا ابوالحسنات کے سپرد کیا۔ چنانچہ مولانا الور سے رختِ سفر باندھ کر لاہور تشریف لے آئے اور ہمیشہ کے لیے لاہور کے ہو کر رہ گئے۔ لاہور سے جو بھی دینی و ملی تحریک اُٹھی۔ اس میں آپ امتیازی حیثیت سے شریک ہوئے۔ الور میں آپ انجمن خادم الاسلام کے صدر اور فتوے کمیٹی کے ہیڈ مفتی تھے۔ مسجد وزیر خاں میں بزم تنظیم قائم ہوئی جس کے صدر بنائے گئے، اس تنظیم کے شعبۂ تالیف کے زیر اہتمام ۳۵ ٹریکٹ لکھ کر شائع کیے، انجمن حزب الاحناف، لاہور کے امیر مقرر ہوئے اور گرانقدر خدمات دیں۔ آل انڈیا سنی کانفرنس نے تحریک پاکستان میں جس سرفروشی اور جاں سپاری سے کام کیا، اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ قیام پاکستان کے بعد ایک ایسی ہمہ گیر تنظیم کی ضرورت محسوس ہوئی جو اہل سنت و جماعت کو منظم کرنے کے ساتھ ملکی اور ملی مسائل میں راہنمائی کا فریضہ انجام دے۔ غزالئ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی دامت برکاتہم کی تحریک پر انور العلوم، ملتان میں ۲۶، ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء کو ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں پاکستان بھر کے علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ جمعیۃ العلماء پاکستان کی تشکیل کے بعد حضرت علامہ ابوالحسنات صدر اور حضرت علامہ کاظمی، ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ (تذکرہ اکابر اہل سنت از علامہ شرف قادری: ص، ۴۲۳) جبکہ مولانا کی لاہور آمد کے حوالے سے نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے محقق اور نقاد جناب شاہد رشید رقمطراز ہیں کہ "مولانا ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ انہی انتہا پسندوں کے درمیان آل انڈیا مسلم لیگ اور پاکستان کے لیے کام کرتے رہے۔ شہروں میں جلسے ہو رہے تھے، جلوس نکالے جا رہے تھے مگر دیہات کے ساتھ زیادہ قریبی رابطہ نہیں تھا۔ مولانا ابوالحسنات دور دراز دیہاتوں میں جا کر حصولِ پاکستان کے مقاصد اور فوائد کا پرچار کرتے رہے۔ انہوں نے رضاکارانہ طور پر دیہات میں جا کر مسلم لیگ، قائداعظم محمد علی جناح اور پاکستان کا نام پہنچانے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں اور یہ فرض انہوں نے احسن طریقے سے نبھایا۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ پاکستان آگئے۔ وہ کراچی میں قیام پذیر ہوئے۔

وہاں سے انہوں نے ہفت روزہ "آئین" کا اجراء کیا لیکن اشاعت کا تسلسل جاری نہیں رہ سکا کیونکہ ان کے مالی حالات زیادہ مستحکم نہیں تھے اور نہ ہی انہیں کوئی مالی حمایت حاصل تھی۔ کراچی میں ان کے صاحبزادے کو بینک میں ملازمت مل گئی۔ مولانا نے بیگم صاحب کو بیٹے کے پاس چھوڑا اور خود قیامِ پاکستان کی قرارداد منظور کرنے والے عظیم تاریخی شہر لاہور میں آگئے۔

آپ ایک متحرک اور فعال شخصیت کے مالک تھے اور ساری زندگی جہدِ مسلسل میں گزاری۔ نفاذِ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہمہ وقت مصروف جہد رہے۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد یومِ نفاذِ شریعت منایا۔ آپ کی زیر نگرانی "جمعیۃ العلماء پاکستان اور جمعیۃ المشائخ کے متفقہ فیصلہ کے مطابق ۷ مئی ۱۹۴۸ء بروز جمعہ پاکستان بھر میں یوم شریعت منایا گیا، جلسے منعقد ہوئے۔ قائداعظم اور اسلامی جرائد کو تاریں دی گئیں اور حکومت پر زور دیا گیا کہ پاکستان میں قانون اسلامی نافذ کیا جائے۔ (محمد احمد قادری، مولانا ابو الحسنات، سید: روئیداد مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان، لاہور۔ ص ۳۔۱۸)

حضرت علامہ ابولحسنات قادری قدس سرہ حقیقی معنوں میں مجاہدِ اسلام تھے۔ آپ کشمیر کے محاذ پر عملی جہاد کے لیے خود گئے۔

> "جمعیۃ العلماء پاکستان کی تحریک پر مجاہدین کشمیر کے لیے ۸۰ ہزار روپے سے زائد کا ساز و سامان مجاہدین میں تقسیم کیا گیا۔ کئی مرتبہ خود کشمیر کے محاذ پر تشریف لے گئے"۔
>
> (روئیداد جمعیۃ: ص، ۷۴)

بزرگ عالم، مصنف، مترجم علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رقم طراز ہیں کہقیام پاکستان کے فوراً بعد کشمیری مسلمانوں پر ظلم و ستم کے خونچکاں واقعات نے پاکستان کے مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کر دیا۔ یہ سلسلۂ آزادی وطن کے بعد اتنی شدت سے اُبھرا کہ آزادی کشمیر کے بغیر پاکستان کی آزادی ادھوری نظر آنے لگی۔ کشمیر کے مہاراجہ نے بھارتی حکومت سے مل کر کشمیر کے چالیس لاکھ مسلمانوں کا سودا کر دیا اور ریاست کا الحاق ہندوستان سے کر دیا۔ الحاق عالمی ضابطۂ اخلاق اور انصاف کے منافی تھا اور کشمیر کی کثیر آبادی کی خواہشات کے بالکل برعکس تھا۔ کشمیر کا مسلمان اپنی آزادی کے لیے تڑپ رہا

تھا۔ پاکستان کی سیاسی اور دینی جماعتوں نے تحریک آزادی میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ مولانا ابوالحسنات نے صدر جمعیۃ العلماء کی حیثیت سے جہاد کشمیر کا اعلان کیا اور غازیانِ کشمیر کی اعانت کے لیے ملک میں ایک زبردست تحریک چلائی۔ عوام نے دل کھول کر کشمیر فنڈ جمع کرنے میں حصہ لیا اور غازی کشمیر مولانا ابوالحسنات اپنے ہم مشرب علمائے دین کی جمعیت میں کئی بار محاذِ کشمیر پر گئے۔ مجاہدین کے حوصلے بڑھائے۔ میدانِ جنگ اور سامانِ جنگ اور دیگر ضروریات جمع کر کے پہنچائیں۔ آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں ۸۱۵۱۲ روپے کی مختلف اشیاء محاذ، کشمیر پر پہنچائیں۔

(تذکرہ اکابر اہل سنت لاہور)

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں حضرت علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر زعما کے ساتھ سکھر جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں مگر آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی بلکہ آپ نے جیل ہی میں قرآن کریم کی تفسیر لکھنا شروع کر دی۔ آپ کے اکلوتے فرزند مولانا خلیل احمد قادری مدظلہ کو تحریک ختم نبوت میں حصہ لینے کے ''جرم'' میں پھانسی کی سزا سنائی گئی تو آپ نے بے ساختہ کہا:

''الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے میرا یہ معمولی ہدیہ قبول فرما لیا''۔

(غلام مہر علی، مولانا، الیواقیت المہریہ: ص ۷۸،۷۹)

ریسرچ اسکالر شاہد رشید اپنے مشاہدات کی روشنی میں کہتے ہیں کہ مولانا نوجوان نسل سے بہت اُمیدیں رکھتے تھے اور انہیں گفتگو کا فن سکھاتے تھے۔ وہ خود انگریزی، اردو اور فارسی پر خاصی دسترس رکھتے تھے۔ اسلامی تاریخ اور اسلامی فقہ پر بھی خاصا عبور تھا۔ اس لیے جب ضرورت ہوتی، اپنی اس خداداد صلاحیت سے کام لیتے۔ دوسروں کے اذہان روشن کرتے اور اپنی علمیّت مزید آگے بڑھاتے وہ کہتے تھے کہ سیاست میں تربیت یافتہ نوجوانوں کو آنا چاہیے جو کتابی علم کے علاوہ تقریر کا فن جانتے ہوں اور مالی لحاظ سے بھی آسودہ ہوں۔ مولانا درویش صفت انسان تھے۔ ایک وقت کا کھانا کھاتے تو دوسرے وقت کی فکر نہیں کرتے تھے۔ جب پیسے جمع ہوجاتے تو اپنے ضرورت مند احباب مین تقسیم کر دیتے۔ ان میں نوے فی صد سے زیادہ لوگ محنت کش ہوتے تھے۔ بوڑھے لوگ، بیوہ خواتین اور کم عمر طالب علم۔ انہوں نے اپنی زندگی، پاکستان اور تبلیغ اسلام کے لیے وقف کر دی تھی۔ میں نے کئی معروف شخصیات کو ان کے فقیر خانے پر آتے دیکھا۔

۱۹۶۷ء میں انہوں نے ''خونی غسل'' کے نام سے ایک مضمون تحریر کیا جس میں تحریک پاکستان کے پس منظر، ہندو مسلم تعلقات اور کشیدگی کے حوالے سے خبردار کیا تھا کہ مشرقی پاکستان میں کوئی بھی سانحہ رونما ہوسکتا ہے۔ ویسا ہی ہوا، صرف چار سال بعد مشرقی پاکستان کی علیحدگی عمل مین آ گئی۔ اس علیحدگی کی بہت سی توجیہات پیش کی گئیں اور اب بھی کی جا رہی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقتدار کے بھوکے لوگوں نے اس سانحہ میں مرکزی کردار ادا کیا۔ وہ اتنے بے حس تھے کہ ہندوستان جیسے ازلی دشمن کی سازشیں ناکام بنانے کے بجائے مشرقی پاکستان کو بوجھ سمجھ کر اُتارنے کی بے حمیت سوچ کو اپناتے چلے گئے۔ دسمبر ۱۹۷۱ء میں سقوط مشرقی پاکستان کا سانحہ پیش آیا تو مولانا کئی دن خاموش رہے۔ دوست احباب آتے، السلام علیکم کہتے تھے تو جواب میں وعلیکم السلام کہہ کر خاموش ہوجاتے۔ ان کی باتوں سے مہکنے اور چہکنے والی محفل سُونی ہوگئی تھی۔ دو تین ہفتے گزرنے کے بعد دوستوں اور عقیدت مندوں نے انہیں پھر سے پررونق مولانا ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ کے روپ میں دیکھا۔ انہوں نے ''جزیرۃ الامن'' کا خیال پیش کیا۔

ختم نبوت کی تحریک میں حضرت علامہ ابوالحسنات اور دیگر زعماء گرفتار ہوگئے تو مجاہد ملے مولانا عبدالستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد وزیر خاں کو مرکز بنا کر اپنی شعلہ بار تقریروں سے تحریک کو آگے بڑھایا، حکومت کی طرف انہیں بھی گرفتار کر کے پھانسی کی سزا کا حکم سنایا گیا۔ آپ کی مشہور کتابوں میں تفسیر الحسنات، ترجمہ کشف المحجوب، اوراقِ غم، طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ اور مرزائیت پر تبصرہ شامل ہیں۔

آپ کے والد گرامی حضرت سید دیدار علی شاہ محدث الوریٰ اور اعلیٰ حضرت بریلوی کے باہم مراسم کے حوالے سے آپ بیان کرتے تھے کہ میرے والد گرامی حضرت سید دیدار علی شاہ محدث الوریٰ اور مفتی برہان الحق جبل پوری باہم دوست تھے۔ ایک روز مفتی برہان الحق نے میرے والد گرامی سے فرمایا کہ چلو اعلیٰ حضرت سے ملتے ہیں، کہا کہ نہیں۔ وہ پٹھان ہیں ان کی طبیعت مین شدت ہے لیکن مفتی برہان الحق نے اصرار کیا اور ساتھ لے گئے۔ اعلیٰ حضرت سے ملاقات ہوئی، احوال پوچھا۔ تو اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا''۔۔۔ شاہ جی! کیا کروں۔ پٹھان ذات ہوں، مزاج میں شدت ہے طبیعت کا سخت ہوں''۔ صفائے قلب کی یہ کیفیت دیکھی تو سید دیدار علی شاہ اُٹھے اور اعلیٰ حضرت کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔ اس ایک ہی گھر میں اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ کی تین خلافتیں ہیں۔

1۔ حضرت سید دیدار علی شاہ محدث الوریٰ
2۔ حضرت سید ابوالحسنات سید احمد قادری
3۔ حضرت سید ابوالبرکات قادری

خوف خدا اور فکر آخرت مسلمان مضبوط ایمان پر دلالت کرتا ہے۔ آپ نے اپنی رحلت سے ایک روز قبل اپنے ہمسائے کو بلایا اور فرمایا:

''غور فرمائیے گا کہ کیا ہم کلمہ طیبہ درست پڑھ رہے ہیں؟''۔

اس کی حیرت پر آپ مسکرائے، کلمہ پڑھا۔ ہمسائے نے تصدیق کی کہ بالکل درست پڑھا۔ آپ نے ان کا شکریہ ادا کیا اور دعا دی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اجر دے پھر انہیں اپنے دوست شیخ صلاح الدین صاحب کو بلانے بھیجا، وہ آئے تو انہیں بھی کلمہ سنایا اور تصدیق چاہی۔ انہوں نے بھی درست ادائیگی کی تصدیق کی۔ اگلے روز ۳ شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ بمطابق ۲۰ جنوری ۱۹۶۱ء بروز جمعہ ساڑھے بارہ بجے دن آپ نے داعیٔ اجل کے حکم پر لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بعض محققین نے آپ کی تاریخ وصال کے حوالے سے اختلاف بھی کیا ہے مگر درست تاریخ یہی ہے۔ آپ کا مزار مبارک برصغیر کے عظیم صوفی بزرگ حضور داتا گنج بخش سیدنا علی ہجویری قدس سرہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کے احاطہ میں مرجع خلائق ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

❀❀❀

آپ ایک متحرک اور فعال شخصیت کے مالک تھے اور ساری زندگی جہد مسلسل میں گزاری

زندگی قرآن کے ساتھ

قرآن حکیم پڑھتے جایئے ہدایت کے نئے سے نئے افق روشن ہوتے جائیں گے۔ یہ صحیفۂ ہدایت بھی ہے اور نصاب زندگی بھی۔ اس کی ایک ایک آیت انسانی زندگی کو سنوارنے کے کئی ایک دروس اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ کتاب حکیم ہماری عملی زندگی کو خوبصورت بنانے کے لیے ہمیں جو تربیتی نکات عطا کرتی ہے۔ اس تحریر میں آپ وہی نکات ملاحظہ فرمائیں گے۔ زیرِ نظر تحریر کوئی تفسیر نہیں بلکہ شاہ جی کی صحبت سے مطالعہ قرآن کے ذوق کی خیرات پانے والے ایک ذرّہ ناچیز کے ہفتہ وار دروسِ قرآن کا خلاصہ ہے جو قبلہ شاہ جی زید مجدہ کے زیر سایہ راولپنڈی کی ایک مسجد میں عرصہ پندرہ سال سے جاری ہیں۔ اگر کوئی جملہ اچھا لگے تو اُسے اُنہی کی نظر کا فیض سمجھا جائے اور اگر طبیعت پہ کہیں بوجھ محسوس ہو تو راقم کے لیے مغفرتِ ذنوب کی دعا کردی جائے۔

مفتی محمد لیاقت علی نقشبندی

سورۃ النمل آیات 23 تا 26

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِیَتْ مِنْ
كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَ
قَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ
زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ
السَّبِیْلِ فَهُمْ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰهِ
الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَ یَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَاۤ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۶﴾ السجدة

"بے شک میں نے اُن لوگوں پر ایک عورت کو حکومت کرتے پایا اور اُسے ہر چیز میں سے حصہ ملا ہے اور اُس کا ایک بہت بڑا تخت ہے، میں نے اُسے اور اُس کی قوم کو اللہ کو چھوڑ کر سورج کے سامنے سجدہ کناں ہوتے دیکھا اور شیطان نے اُن کے اعمال کو مزین کر کے راہ حق سے انہیں روک رکھا ہے اور وہ ہدایت کی طرف آتے ہی نہیں، وہ کیوں نہیں سجدہ کرتے اللہ کے سامنے جو نکالتا ہے آسمانوں اور زمین سے چھپی ہوئی چیزیں اور خوب جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو، اللہ ہی ہے اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی جو عرشِ عظیم کا مالک ہے"۔

(1) ان آیات میں مذکور "ہدہد" حضرت سلیمان کے قریبی ساتھیوں میں سے ہے۔ اس صحبت نے اُس ننھے پرندے کو پہاڑوں جیسا ایمان عطا فرما رکھا تھا۔ یہ ایمانی غیرت ہی تھی کہ ملکہ سبا کا حکومتی دبدبہ، اس علاقے کی معاشی ترقی اور اس کے تخت کا رعب دیکھنے کے باوجود اس نے تخت پہ بیٹھنے والی خاتون کا ذکر "اِمْرَاَةً" کے لفظ سے کیا، اس لفظ پر تنوین بتاتی ہے کہ ننھے ہدہد کی نظر میں اس بڑی ملکہ کی اہمیت ان "دو زبروں" سے بڑھ کر نہ تھی۔ ان جملوں کا مقصد کسی خاتون کی تحقیر نہیں بلکہ عشقِ الٰہی میں مست فقیروں کی شانِ بے نیازی بیان کرنا مقصود ہے کہ "تختِ عظیم" رکھنے والی خاتون بھی اپنے تئیں خود کو بڑا سمجھتی ہوگی مگر اہلِ ایمان کی نظر میں سب سے قیمتی متاع ایمان ہوتی ہے۔ ایک عام انسان صاحب ایمان ہو تو وہ اُن کی نظر میں معتبر ہوتا ہے مگر ایک ملکہ بھی اگر نعمتِ ایمان سے محروم ہو تو وہ ان کے نزدیک محض ایک "عام عورت" ہوتی ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ کا خاص فضل یافتہ ہوتا ہے وہ فرد جسے اللہ یقین کی دولت عطا فرما دے۔ ہدہد کا اللہ ربّ العزت کی توحید سے متعلق دلوں اور روحوں میں اُتر جانے والا کلام بلا شبہ اس کی یقینی کیفیات کا عکاس ہے۔ سوچا جا سکتا ہے کہ نبی کے دامن سے وابستگی اگر ایک پرندے کو اتنا نوازتی ہے تو اکرم المخلوقات انسان اپنے خلوص کی بنیاد پر دہلیزِ نبوت سے کیا کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔

(3) حکمرانوں کو معاشی میدان میں اپنی قوم کو خود کفیل کرنے کے لیے بھرپور محنت تو کرنی ہی چاہیے مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنی قوم کی فکری تربیت اور نظریاتی تعلیم کے ذریعے وطن کی نظریاتی سرحدوں کا دفاع بھی یقینی بنانا چاہیے۔ ملکہ سبا سے یہی غلطی ہوئی تھی کہ تمام تر معاشی ترقی کے باوجود حسنِ عقیدہ کی اصل حقیقت سے وہ اپنی قوم کو آگاہ نہ کر سکی۔

(4) شیطان انسان کو بھٹکانے اور بہکانے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ آخری حد تک اُس کی کوشش ہوتی ہے کہ انسان نیکی کی جانب توجہ ہی نہ کر سکے۔ بدکار طبیعت رکھنے والوں کو بھٹکانا تو اس کے لیے چنداں دشوار نہیں ہوتا، تاہم فطرت سلیم کے حاملین کو راہِ راست سے ہٹانا اس کے لیے ایک کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔ یہاں وہ اپنا طریقہ واردات بدلتا ہے۔ اس کا وار ذہنوں اور دماغوں پر ہوتا ہے۔ انسان اصل میں غیر اخلاقی اور غیر شرعی امور کا ارتکاب کر رہا ہوتا ہے مگر شیطان اس کے لیے ان اعمال کو آراستہ کر دیتا ہے۔ وہ انسان سمجھنے لگتا ہے کہ وہی سب سے زیادہ درست راستے پر ہے۔ اسی کا عمل سب سے بڑھ کر حسین ہے اور اسی کی زندگی بہترین گزر رہی ہے۔ حالانکہ یہی شیطان کا وار ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمال کا حسن اور قباحت قرآنِ حکیم کے ذریعے معلوم کرے۔ جو عمل قرآن کی نگاہ میں حسین ہو وہ اپنائے رکھے اور جس سے قرآن حکیم رک جانے کا حکم دے اُسے فوراً ترک کر دیا جائے۔

(5) دنیا کا اقتدار فانی اور عارضی ہے۔ یہاں آئے روز حکمران اور حکمرانیاں بدلتی رہتی ہیں۔ اصل بادشاہی اللہ کی ہے جو ہر عیاں و نہاں کو جانتا ہے۔ جس چیز کو آشکار کرنا چاہے اسے عیاں کر دیتا ہے۔ دلوں کے نہاں خانوں سے گزرنے والے خیالات کا علم بھی وہی رکھتا ہے۔ اُس کی بادشاہی سارے زمانوں پہ چھائی ہوئی ہے۔ وہ خود بھی باقی ہے اور اس کا اقتدار بھی باقی ہے۔ ایک عام انسان سے لے کر اہلِ عقد و کشاد تک

سب کو اسی ابدی و سرمدی بادشاہی رکھنے والے کے حضور جھکے رہنا چاہیے۔

(6) شانِ باری تعالیٰ کے حوالے سے ہدہد کے الفاظ کی قرآنی حکایت پر غور کیجیے! معلوم ہوگا کہ ہدہد کی اپنی ڈیوٹی بھی کچھ خفیہ امور کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھنے کی تھی۔ گویا وہ اپنے فرائضِ منصبی کے ساتھ اس قدر جُڑا ہوا (Committed) تھا کہ توحید باری کے بیان میں بھی اسی صفت کا تذکرہ کر رہا ہے۔ جس قوم کے افراد اپنے کارِ منصبی کی انجام دہی میں اس قدر منہمک و متحرک ہوں بلاشبہ ایسی قوم کو دنیا کی کوئی طاقت ترقی سے روک نہیں سکتی، ہمیں بحیثیت مسلمان اس حوالے سے بھی اپنے گریبانوں میں کبھی جھانک ہی لینا چاہیے۔

(7) ہدہد کی بیان کردہ دو باتیں باہم کمال ربط رکھتی ہیں۔ ایک ''وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ'' اور دوسری ''هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ''۔ اگرچہ پہلے عرش سے مراد ملکہ کا تخت جبکہ دوسرے سے مراد عرشِ الٰہی ہے، تاہم یہ بات بھی کردار ساز ہے کہ دنیا کے بڑے سے بڑے تخت اور عظیم سے عظیم سلطنت وحکومت کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے لہٰذا دنیاوی حکمرانوں کو اپنے اختیارات اللہ کی جانب سے تفویض کردہ امانت سمجھ کر استعمال کرنے چاہییں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ عرشِ عظیم کے ربّ کو فراموش کر کے اپنے تخت کے نشے میں مست ظالمانہ فیصلے کریں اور یوں قوم کی دنیا اور اپنی آخرت برباد کر بیٹھیں۔

سورۃ النمل آیات 27 تا 31

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ
الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ
اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا
يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ
اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ
سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾
اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

''سلیمان نے فرمایا ابھی ہم دیکھتے ہیں آیا تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے، میرا یہ خط لے کر روانہ ہو اور اُن لوگوں کو سونپ دے پھر اُن سے تھوڑا ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں، ملکہ سبا بولی اے درباریو! بے شک مجھے ایک عزت والا خط موصول ہوا ہے، بے شک وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے اللہ کے نام سے جو نہایت رحم فرمانے والا بڑا مہربان ہے، یہ کہ میرے مقابلہ میں غرور اور تکبّر نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے ہاں حاضر ہو جاؤ''۔

(1) ہدہد کی عدم موجودگی پر حضرت سلیمان بھرپور جلال کی کیفیت میں تھے۔ مگر ہدہد نے جب اپنی جانب سے معقول عذر پیش کیا تو آپ نے فوراً وہ عذر قبول کر لیا۔ سیکھنے کی بات یہ ہے کہ بڑوں کو چھوٹوں کا عذر قبول کر لینا چاہیے۔ اگر وہ مطمئن نہ ہوں تو بھی ایکشن لینے میں جلدی نہیں ہونی چاہیے بلکہ وہ اگر مناسب سمجھیں تو اصل صورت حال کی تحقیق کروالیں تاکہ حقیقت واضح ہو سکے۔

(2) ملنے والی کسی بھی خبر پر اندھا اعتماد نہیں کرنا چاہیے بلکہ خبر کی صداقت یا اس کا جھوٹ ہونا معلوم کر لیا جانا چاہیے۔ مبادا جلد بازی میں اُٹھایا گیا کوئی اقدام بعد میں ندامت و پریشانی کا باعث نہ بن جائے۔ جدید دور کی روز افزوں ترقی جہاں مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) کے ذریعے سچ اور جھوٹ کو خلط ملط کرنا انتہائی آسان ہو گیا ہے۔ قرآن حکیم کا یہ محل بھرپور راہنمائی کرتا ہے کہ ہر معاملے کی گہری پرکھ انتہائی ضروری ہے۔

(3) اچھا حکمران کبھی بھی جلد بازی میں فیصلے نہیں کرتا بلکہ اُس کا ہر فیصلہ گہرے غور وفکر اور عمیق تجزیے پر مبنی ہوتا ہے۔

(4) حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط کے مندرجات پوشیدہ رکھے۔ اُن کے دربار میں کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ خط میں کیا لکھا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ریاستوں کے مابین ''راز داری'' کے اصول کی ہمیشہ پاسداری ہونی چاہیے۔ ایک اچھا حکمران بلکہ ایک اچھا انسان راز کا پکا ہوتا ہے۔ پیٹ کا ہلکا اور راز کا کچا ہونا امورِ خارجہ اور امورِ داخلہ دونوں کے لیے انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔

(5) ریاستوں کے استحکام میں مضبوط انٹیلی جنس کا نظام انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ خفیہ اہلکار جتنے زیادہ تربیت یافتہ (Skilled) اور ماہر ہوں گے وطن اتنا ہی مضبوط و مستحکم ہوگا۔ حضرت سلیمان دنیا کے کامیاب ترین حکمرانوں میں سے ایک تھے۔ اس کی ایک وجہ اُن کے جاسوسی کے نظام کی مضبوطی بھی تھی۔ جس کا تذکرہ قرآن حکیم کی ان آیات میں کیا جا رہا ہے۔

(6) غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

انسان کے اندر فطری طور پر موجود غیرت کا جذبہ اگر غیرتِ ایمانی کی روشنی بن جائے تو اس سے انسان کے اردگرد کا ماحول بھی روشن ہو جاتا ہے۔ ایمانی غیرت کے جذبات عوام کے دلوں میں موجزن ہوں تو ماحول منور ہوتا ہے اور انہی جذبات کی شمع اگر حکمرانوں کے دلوں میں جل اٹھے تو پوری کائنات نورِ ایمان سے جگمگا اٹھتی ہے۔ ملکہ سبا اور اس کی قوم کے شرک میں مبتلا ہونے کی خبر سنتے ہی حضرت سلیمان کا فوراً اُنہیں ربّ کی بارگاہ میں سرِ ایمان جھکا دینے کا حکم اسی ایمانی غیرت کا عکاس ہے۔

(7) انسان کا اچھا یا برا ہونا اس کے عہدے اور منصب سے نہیں پہچانا جاتا بلکہ اُس کی اصل شناخت اس کے رویے سے ہوتی ہے۔ حضرت سلیمان بھی دراصل دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ ملکہ کس طرح کے رویے کی حامل ہے۔ اسی لیے آپ نے ہدہد کی ڈیوٹی لگائی کہ تم نے خط وہاں پھینکنا بھی ہے اور پھر فاصلے سے ملاحظہ بھی کرنا ہے کہ خط پڑھنے کے بعد وہ کس طرح کا رویہ ظاہر کرتی ہے۔ قرآن ہمیں رویے ٹھیک کرنے کا درس دیتا ہے۔

(8) سلیقے سے کیا گیا کام اپنی ایک قیمت رکھتا ہے۔ ملکہ سبا نے جب حضرت سلیمان کے خط میں جچے تلے الفاظ دیکھے۔ بے جا طوالت نہ ہی اہلِ اقتدار کو لکھے جانے والے خطوط کا عمومی خوشامدانہ انداز بلکہ انتہائی مختصر جامع، واضح اور دوٹوک انداز میں اپنے موقف کا اظہار۔ خط کی انہی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے وہ پکار اٹھی کہ یہ خط نہیں بلکہ ایک معزز خط ہے۔ ''اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ'' اس خط کو عزت والا اور باوقار اس لیے بھی کہا گیا کہ اس کا آغاز اللہ کے نام سے تھا اور آخر میں حضرت سلیمان کی بحیثیت سربراہ مملکت مہر بھی ثبت تھی۔ سبق یہ ہے کہ ہمیں بھی ہر کام پورے آداب و تقاضوں اور کامل سلیقے سے کرنا چاہیے۔

(9) خط کے مندرجات سے ایک بار پھر یہ بات معلوم ہوئی کہ تکبر اور غرور انفرادی سطح پر ہو یا ریاستی سطح پر ہوتا تباہ کن ہے۔ متمول اور خوشحال ریاستیں چھوٹی اور غریب ریاستوں کو نوالہ تر نہ سمجھیں کہ یہی نوالہ کہیں ان کے گلے میں اٹک کے ان کی ہلاکت کا باعث نہ بن جائے۔

(10) ''وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ'' حق کے سامنے گردنِ تسلیم خم کر لینا دنیا و آخرت کی نجات اور کامیابی کا زبردست ذریعہ ہے۔

(11) جس کام کا آغاز اللہ تعالیٰ کے پاک اور بابرکت نام سے کیا جائے وہ کبھی بھی برکتوں سے محروم نہیں ہوتا۔ ایسا کام ہمیشہ بارآور اور نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ ہمیں بھی اپنے جملہ امور میں نام خدا کی برکتیں شامل رکھنی چاہییں۔

(12) مبلغینِ حق کو چاہیے کہ وہ عوام کے ساتھ ساتھ اہلِ اقتدار و اختیار اور اہلِ مال و ثروت کو بھی دین کی دعوت ضرور پیش کریں۔ کیونکہ کسی ایک حکمران کے سدھرنے سنورنے کا مطلب پوری ریاست کا راہِ راست پہ آ جانا ہوتا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ کے غیر مسلم سربراہوں کے نام خطوط بھی تبلیغ کے اسی نکتے کو واضح کرتے ہیں۔

(13) بارگاہِ نبوت کا ادب ہدایت کا ذریعہ اور حصولِ معرفت کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ جس طرح جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ادب کیا تو اللہ نے انہیں دینِ حق نصیب کر دیا۔ اسی طرح ملکہ سبا کی جانب سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کو معزز کہنا ایک ایسی مؤدبانہ ادا تھی جو بالآخر اس کے لیے بھی ذریعۂ ہدایت ثابت ہوئی۔

سورۃ النمل آیات 32 تا 34

قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ (32) قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ ۙ۬ وَّ الْاَمْرُ اِلَیْكِ فَانْظُرِیْ مَا ذَا تَاْمُرِیْنَ (33) قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةًۚ وَ كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ (34)

''بولی اے درباریو! مجھے میرے معاملے میں ایک قطعی رائے دو، مجھے کوئی بھی کسی معاملہ میں حتمی فیصلہ نہیں کرنا ہوتا، جب تک مجھے تمہاری تائید حاصل نہ ہو، وہ بولے ہم بڑی طاقت اور لڑائی میں شدت رکھنے والے لوگ ہیں اور فیصلہ تو آپ نے خود کرنا ہے، سو دیکھ لیجیے کہ تمہیں کیا فیصلہ کرنا ہے، ملکہ بولی بے شک بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں وہاں فساد مچا دیتے ہیں اور وہاں کے آبرومند رہنے والوں کو ذلیل بنا دیتے ہیں اور اُن لوگوں نے ایسا ہی کرنا ہوتا ہے''۔

(1) اسلام میں مطلق العنان حکمرانی کا کوئی تصور نہیں بلکہ آمریت کے مقابلے میں دینِ اسلام شورائی نظام کو حکومت کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ زیرِ مطالعہ آیات میں ملکہ سبا کی جانب سے اپنی کابینہ سے خطاب میں بھی اسی فکر کو اُبھارا گیا۔ ملکہ کے سوال کا جواب جو اراکین کابینہ کی جانب سے دیا گیا ظاہر کرتا ہے کہ وہ بذاتِ خود بااختیار حکمران تھی اور حتمی فیصلے کا اختیار بھی اسی کے پاس تھا۔ اس کے باوجود اُس کی جانب سے بدون مشاورت کوئی فیصلہ نہ کرنے کا عندیہ دینا زندگی کا یہ اہم اصول سکھاتا ہے کہ افراد سے لے کر حکومتوں اور ریاستوں تک درست فیصلے کرنے کے لیے مشاورت ضروری ہوتی ہے۔

(2) حکمرانوں کے اردگرد موجود خوشامدی عناصر کی نفسیاتی حالت کا قرآن حکیم نے یہاں انتہائی مؤثر انداز میں نقشہ کھینچا۔ ایک ایسا شخص جو ٹیلنٹ کی بجائے تعلق یا سفارش کے ذریعے کسی حکومتی منصب تک پہنچا ہو وہ کبھی بھی آزادانہ اور واضح رائے نہیں دے سکتا۔ اس کا اندازِ گفتگو ہمیشہ ''سیاسی'' اور منافقانہ ہوتا ہے۔ دراصل وہ اپنے لیے کسی قسم کا بھی رسک نہیں لے سکتا۔ اس لیے گول مول رائے کے ذریعے دامن چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک جانب یہ کہنا کہ ہمیں ہر طرح کی جنگی قوت حاصل ہے اور لڑنے کی بھرپور صلاحیت بھی ہم رکھتے ہیں۔ اور دوسری جانب کوئی حتمی رائے یا مشورہ دینے کی بجائے فیصلے کی کمان ملکہ کو سونپ دینا اسی خوشامدانہ انداز کا اظہار ہے۔ سبق یہ ہے کہ اہلِ اختیار کو اہل اور باصلاحیت افراد تلاش کرنے چاہییں اور جس سے مشورہ طلب کیا جائے اسے سیدھے اور دو ٹوک انداز میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرنا چاہیے۔

(3) ریاستی سطح پر فیصلے کرتے وقت تمام تر حالات کا باریک بینی سے دیانتدارانہ جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ خصوصاً اگر کبھی جنگ درپیش ہو تو جذبات سے زیادہ زمینی حالات و واقعات مدنظر رکھنے چاہییں۔ نہ تو خود کو زیادہ طاقتور سمجھا جائے اور نہ ہی دوسروں کو کمزور تصور کیا جائے۔ جدید زبان میں نہ تو خود کو (Over estimate) کیا جائے نہ دوسروں کو (Under estimate) کرنے کی غلطی کی جائے۔

(4) قرآنِ حکیم نے یہاں بادشاہوں کے رویے بیان کیے۔ پہلی بات یہ کی کہ جب وہ علاقوں میں داخل ہوں تو انہیں برباد کر دیتے ہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ وہ عزت والوں کو سرِ عام ذلیل و رسوا کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بادشاہت اور ملوکیت کی تاریخ اس بیان سے چنداں مختلف نہیں۔ زمانۂ آدم سے آج تلک اس کی سینکڑوں مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ دور کیوں جائیے!!! کیا اسلام میں بھی بادشاہت کے آغاز کے ساتھ ہی ان معاملات کو جاری نہیں کیا گیا۔۔۔؟؟ عزت والوں کو برسرِ منبر گالیاں دینا معمول بنا دیا گیا۔ یہاں تک کہ میدانِ کربلا میں کائنات کے معزز ترین افراد کو جس بے دردی اور بہیمیت کے ساتھ شہید کیا گیا وہ بذاتِ خود شاہانہ رویوں کا عکاس ہے۔ یہاں قرآن ہمیں یہ فکر دیتا ہے کہ حکومت و اختیار جب مرضیِ الٰہی کے تابع اور دینِ حق کے سائے تلے آ جائے تو پھر دنیا فساد سے بھی محفوظ رہتی ہے اور عزت والوں کی عزت بھی سلامت رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ رحمت ﷺ کے زمانے میں جو غزوات و سرایا ہوئے یا خلافتِ راشدہ کے دور میں اسلامی مملکت میں ہونے والی توسیع میں فساد و تذلیل کی کوئی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔ بلاشبہ ہمارے تمام دردوں کا مداوا اور مسائل کا حل نظامِ خلافت اور نظامِ اسلام ہی سے وابستہ ہے۔

(5) فیصلہ ساز قوتوں کو فیصلہ کرتے وقت ہمیشہ ریاست اور ریاستی عوام کی سلامتی اور امن وامان کو اولین حیثیت دینی چاہیے۔ ہر مسئلے کا حل جنگ نہیں ہوتی۔ بہت سے معاملات سیاسی میدان میں مذاکرات کے ذریعے حل کر لینے چاہییں۔

(6) زمین میں بپا کیا جانے والا سب سے بڑا فساد کسی عزت والے کو بے عزت اور کسی آبرومند انسان کی عزت و آبرو کو تاراج کرنا ہے۔ قرآنِ حکیم عزتوں کو اچھالنے والوں کو فسادی قرار دیتا ہے۔ رسولِ رحمت ﷺ نے بھی ایک بندہ مومن کی عزت و آبرو کو کعبۃ اللہ کی عزت و حرمت کی مثل قرار دے کر عزتوں کی حفاظت کا درس دیا تھا۔

(7) حکمرانوں کے پاس مشاورت کے بعد فیصلوں کا حتمی اختیار بھی ہونا چاہیے۔ بے اختیار حکمران بے وقار بھی ہوتا ہے اور جو خود بے وقار ہو وہ اپنی قوم کی عزت و وقار میں اضافہ کس طرح کر سکتا ہے۔

رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آصف بلال آصف

ابتدائے کائنات سے لے کر آج تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں میں حضور نبی اکرم ﷺ ہر حوالے سے کامل و اکمل ہیں۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے تصدق سے اپنے محبوب ﷺ کو کائنات کے لیے سرتاپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔۔۔۔

آپ ﷺ وہ ہستی ہیں جن کی روحِ اقدس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تخلیق فرمایا۔۔۔۔

اس روح کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے نور کی براہ راست تجلی سے اس کائنات کی ہر چیز کی تخلیق سے قبل ہوئی۔

روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”پہلی مخلوق جس کو اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا وہ اس اللہ کے نور کی تجلی سے تمہارے نبی کا نور تھا“۔

حضور اکرم ﷺ کے نور سے مراد آپ ﷺ کی روحِ مبارکہ ہے جو خود بھی منور تھی اور دوسروں کو بھی منور کرنے کی صلاحیت کی حامل تھی۔۔۔۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے نور سے تخلیق ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے نور کا حصہ ہیں یا یہ کہ آپ ﷺ اللہ کے نور سے نکلے ہوئے ہیں۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے نور سے تخلیق کیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کی روحِ مبارکہ کو اپنی پہلی تخلیق کے طور پر بغیر کسی درمیانی واسطے کے تخلیق کیا کیونکہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے کسی کا وجود بھی تخلیق نہیں ہوا تھا۔ گویا آپ ﷺ مخلوق کا نقش اول قرار پائے۔۔۔۔

آپ ﷺ کو جملہ انبیا اکرام علیہ السلام میں سب سے پہلے نبی ہونے کا اعتزاز وافتخار بھی حاصل ہے۔۔۔۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے خود فرمایا:

”میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیانی مراحل میں تھے“۔

آپ ﷺ تمام انبیا کرام علیہ السلام میں سب سے آخر میں تشریف لائے جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی قدر ہے۔

”میں تخلیق میں سب سے پہلا اور بعثت کے اعتبار سے سب سے آخری نبی ہوں“۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

”میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی اور رسول معبوث نہیں ہوگا“۔

آپ ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ اور پہلو عظم ہدایت سے محروم انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔

آپ ﷺ پیر کے دن کی نورانی گھڑیوں میں طلوع صادق کے وقت 12 ربیع الاول کو عام الفیل میں جزیرالعرب کے شہر مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔

حضور ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا۔۔۔۔ سینہ مبارک کشادہ اور ابھرا ہوا تھا۔

آپ ﷺ مظبوط جسمانی ساخت کے حامل تھے

آپ ﷺ کا سینہ مبارک اور شکم مبارک ہموار اور مضبوط تھا

آپ ﷺ کا جسدِ اقدس کمال موزینت اور توازن کا شہکار تھا۔

آپ ﷺ کے جسم اقدس کے کسی بھی حصے کا گوشت مبارک کہیں سے بھی ڈھیلا یا لٹکا ہوا نہ تھا۔

آپ ﷺ کی پشت مبارک پر دونوں شانوں کے درمیان مہرنبوت ثبت تھی۔

آپ ﷺ کی رنگت گلِ نو بہار کی طرح سرخی مائل سفید تھی۔

جب آپ ﷺ اپنے شانے مبارک سے قمیض ہٹاتے تو آپ ﷺ کے جسدِ مبارک کی رنگت خالص چاندی کی طرح دھمکتی ہوئی دکھائی دیتی آپ ﷺ کے دندان مبارک مکمل سفید اور متوازن تھے اور ان کے درمیان ہلکا سا خلا تھا۔

جب آپ ﷺ خوش ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ اقدس چاند کی طرح چمک اٹھتا۔

جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ آپ ﷺ کے دندانِ مبارک سے نور خارج ہو رہا ہے۔

آپ ﷺ کے دستِ مبارک اور قدمین مبارکہ نسبتاً بڑے مگر خوبصورت تھے۔

آپ ﷺ کی ہتھیلیاں اور تلوے مبارک نرم و گداز اور بھرے ہوئے تھے۔

آپ ﷺ کے قدمین مبارکہ پر بال نہیں تھے آپ ﷺ انہیں دھوتے تو لطافت کے باعث ان پر پانی نہ ٹھہرتا تھا۔

آپ ﷺ چلتے ہوئے مظبوطی سے قدم اٹھاتے اور جما کر زمین پر رکھتے اور جھک کر اس طرح چلتے کہ یوں لگتا جیسے کہ بلند پہاڑی سے نیچے کی طرف تشریف لا رہے ہیں۔

چلنے میں آپ ﷺ سے تیز کوئی نہیں تھا گویا زمین آپ ﷺ کے لیے لپیٹ دی جاتی تھی۔

آپ ﷺ کا رخ انور تمام انسانوں کے چہروں سے زیادہ خوبصورت تھا۔

آپ ﷺ کی جسمانی ساخت تمام انسانوں میں سب سے زیادہ دلکش اور خوبصورت تھی۔

آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی، شفیق، مہربان، نرم طبع اور شجاع و بہادر تھے۔

آپ ﷺ اکثر اپنی نگاہ مبارک جھکا کر رکھتے اور آپ ﷺ کنواری دوشیزہ سے بھی زیادہ حیادار تھے۔

آپ ﷺ طویل دورانیہ تک خاموشی اختیار فرمائے رکھتے تھے۔۔۔۔

کبھی قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے۔

آپ ﷺ متبسم اور کم گو تھے۔۔۔۔ تاہم حسِ مزاح موجود تھی۔

آپ ﷺ دوسروں کو مسکراتا ہوا اور شاد دیکھنا پسند فرماتے تھے۔

آپ ﷺ خواتین، کمزوروں اور بچوں سے

خصوصی طور پر بہت شفقت اور انتہائی محبت سے پیش آیا کرتے تھے۔

جب آپ ﷺ کسی سے وعدہ فرماتے تو خواہ کچھ بھی ہوجائے اپنے وعدے کو پہلی فرصت میں یقینی طور پر پورا کرتے۔

جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو تمام وقت آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر مسکراہٹ کے پھول رنگ بکھیرتے رہتے۔

آپ ﷺ کا وجود مسعود اپنے رشتہ داروں اور متعلقین کے درمیان کبھی ناراضگی کا باعث نہیں بنتا تھا۔

آپ ﷺ لوگوں کی اونچی آواز، ترش لہجے اور بدتمیزی سے بات کرنے کو ناپسند فرماتے اور اچھی آواز میں گفتگو کرنے والے کو پسند فرماتے تھے۔

آپ ﷺ سب سے زیادہ نفرت جھوٹ سے کرتے تھے۔ کوئی معمولی جھوٹ بھی بولتا تو آپ کی طبع پر سخت گراں گزرتا اور پریشانی آپ ﷺ کے چہرہ مبارک سے عیاں ہوتی۔

آپ ﷺ نہایت شفیق اور نرم مزاج تھے۔

آپ ﷺ اپنے بدترین دشمنوں کے دل بھی باآسانی جیت لیا کرتے تھے اور وہ اپنے قلوب کی گہرائیوں سے آپ ﷺ کے گرویدہ ہوجاتے تھے۔

آپ ﷺ کم خوراک تھے اگر رات کو کھانا کھاتے تو صبح کا کھانا ترک فرماتے۔

آپ ﷺ فقط اس وقت کھاتے جب بھوک لگتی اور ابھی کچھ بھوک باقی ہوتی تو کھانا چھوڑ دیتے۔

آپ ﷺ ماہ رمضان المبارک کے علاوہ بھی روزے رکھتے اور سب سے زیادہ نفل روزے ماہ شعبان المعظم میں رکھتے۔

آپ ﷺ بعض اوقات کئی روز تک سحر وافطار کے بغیر مسلسل روزہ رکھتے مگر دوسروں کو ایسا کرنے سے منع فرماتے۔

آپ ﷺ ایک یا دو کھجوروں یا پھر محض پانی سے بھی روزہ افطار فرما لیتے۔

آپ ﷺ فرشِ زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول کرنا پسند فرماتے۔ کھانے کی چیز پر جھک کر کھاتے تھے۔

نفاست صفائی کا یہ عالم تھا کہ کھانے سے قبل اور بعد میں اچھی طرح ہاتھ مبارک دھو لینا آپ ﷺ کا معمول مبارک تھا۔

آپ ﷺ پلیٹ میں اپنے سامنے سے کھاتے اور کبھی پلیٹ کے درمیان سے نوالہ نہیں لیتے تھے۔

آپ ﷺ کبھی گرم گرم کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔۔۔۔ یہاں تک کہ ٹھنڈا ہوجاتا۔

آپ فرمایا کرتے: ”کھانا قدرے ٹھنڈا کھایا کرو اس میں کثرت اور برکت ہوتی ہے“۔

آپ ﷺ کھانا ٹھنڈا کرنے کی غرض سے کھانے میں پھونک نہیں مارتے تھے اور نہ ہی پانی پیتے ہوئے گلاس یا پیالے میں سانس لیتے تھے۔

آپ ﷺ بکری یا بھیڑ کے اگلے حصے کے گوشت کو ترجیح دیتے۔

آپ ﷺ سبزیوں میں کدو بہت پسند فرماتے تھے

آپ ﷺ نماز عشاء کے بعد بستر مبارک پر تشریف لے جاتے اور آدھی رات کو قیام واللیل یا نماز تہجد کی غرض سے بیدار ہوتے اور پھر دوبارہ فجر کی اذان تک آرام فرماتے۔۔۔۔۔

آپ ﷺ کی آنکھیں سوتیں مگر آپ ﷺ کا قلب اطہر بیدار رہتا تھا۔

آپ ﷺ اپنے بچوں اور اہل وعیال سے بہت شفقت فرماتے۔

جب آپ ﷺ کی شہزادی سیدہ فاطمہ الزاہراۃ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے ملاقات وزیارت کی غرض سے حاضر ہوتیں تو آپ ﷺ ان کے اعزاز واکرام میں کھڑے ہوجاتے اور ان کے سر پر بوسہ دیتے۔

آپ ﷺ کے نواسے دوران نماز آپ ﷺ کی پشت مبارک پر چڑھ جاتے مگر آپ ﷺ نے ان کے اس عمل پر کبھی ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ اپنے سجدے کو لمبا فرما دیتے۔

اللہ پاک ہمیں اپنے محبوب نبی ﷺ کی مبارک اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔۔۔۔

بقیہ: مغربی دنیا

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان تمام اچھائیوں اور برائیوں کے سامنے رکھتے ہوئے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جو لوگ ان کو مسلمانوں سے بہتر خیال کرے ہیں کہاں تک درست ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کلمہ گو اور غیر کلمہ گو کا موازنہ کیسے ہوسکتا ہے، البتہ جب مسلمانوں کی حالت زار دیکھی جائے تو یقیناً دکھ ہوتا ہے۔

کچھ اہم باتیں

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مغرب میں دین اسلام کی ترویج کے بہت زیادہ مواقع ہیں کہ وہ لوگ پیاسے ہیں اور اس زندگی سے زیادہ تر لوگ اُکتا چکے ہیں۔ ان کے کلیسا بند ہو رہے ہیں مگر اس کے لیے مضبوط مسلم تنظیم کی ضرورت ہے اور صرف زبانی تبلیغ نہیں بلکہ عمل کو پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ روس کے نامور مصنف اور فلسفی ٹالسٹائی نے ایک دفعہ کہا تھا:

”مجھے اپنے دین کی تبلیغ مت کرو مجھے اپنے اعمال میں اپنا دین دکھاؤ“۔

اگرچہ مساجد تعمیر ہو رہی ہیں۔ بہت سے مسلمان تو ان کے رنگ میں رنگ گئے ہیں اور دین کی تبلیغ کرنے والے چند ایک انفرادی طور پر اور کچھ تنظیموں کے سوا عموماً آپس میں ہی گتھم گتھا ہیں۔ کوئی فرقہ بندی، کوئی علماء اور پیران عظام کے حوالے سے برتری حاصل کرنے کی سعی کر رہا ہے۔ پرتگال کا ایک چھوٹا سا قصبہ جہاں مجھے کچھ وقت گزارنے کا موقع ملا۔ وہاں ایک چھوٹی سی مسجد میں ایک ماہ میں تین امام تبدیل ہوئے۔

آخر میں ایک دفعہ پھر عرض گزار ہوں کہ اسلام کی برکات اور رحمتیں پوری بنی نوع انسان کے لیے ہیں۔ اور مسلمانوں کا فرض عین ہے کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی بساط کے مطابق ان برکات کو غیر مسلم تک پہنچانے کے لیے ان کے لیے دعوت وتبلیغ کا ہر ممکن اہتمام کریں۔ رحمتوں کے اس سمندر کے حوالے سے مرشد کریم قبلہ سید ریاض حسین شاہ جی کے رشحات قلم سے ایک خوبصورت اقتباس بھی پیش خدمت ہے:

”رحمت برکت اور نور سب کے لیے ہوتا ہے۔ بارش برستی ہے تو صرف بلند محلات کو نہیں نوازتی۔ وہ جھونپڑوں کے لیے بھی ہوتی ہے۔ ہر ایک اس میں اپنا حصہ پا سکتا ہے۔ یہ کسی خاص گروہ کے لیے مختص نہیں ہوتی۔ اس سے استفادہ کی دعوت عام ہے۔ پرندے اپنے پروں کو اس کے فیض سے تر کر سکتے ہیں اور کیڑے مکوڑے اس کے وجود سے خود کو برابر فیض یاب کر سکتے ہیں۔ اور انسان بھی اس کی رحمت سے اپنی تقدیر بنا سکتے ہیں“۔ (سورۂ ہود:118-119)

شب براءت، مغفرت اور دعا کی رات

شعبان قمری مہینوں میں آٹھواں مہینہ ہے۔ اس مہینہ کے شروع ہوتے ہی مسلمانان عالم استقبال رمضان المبارک میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ قرآن کی تلاوت ، ذکر اذکار ، درود شریف کی کثرت اور روزوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ استقبال رمضان المبارک رسول اللہ ﷺ کی مبارک سنت بھی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (رمضان المبارک کے علاوہ) سال کے کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ روزے نہیں رکھتے تھے، آپ (تقریباً) پورے شعبان ہی روزے رکھتے تھے۔ (سنن نسائی:2182)

شب براءت بھی اللہ تعالیٰ نے اسی مہینے میں رکھی ہوئی ہے۔ شعبان کی پندرھویں رات کے بارے میں ہمارا پاکستانی معاشرہ افراط اور تفریط کا شکار ہے۔ ایک طرف آتش بازی کا اہتمام نظر آتا ہے اور دوسری طرف اس رات کی فضیلتوں کا انکار نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ افراط اور تفریط میں مبتلا لوگوں کو ہدایت کا نور عطا فرمائے۔ اس رات کی فضیلت کا مطلقاً انکار سوائے متعصب جاہل کے کوئی نہیں کرسکتا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کو (گھر میں) موجود نہ پایا۔ تو میں (آپ کی تلاش میں) باہر نکلی تو کیا دیکھتی ہوں کہ آپ بقیع قبرستان میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیا تم ڈر رہی تھی کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے؟''۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرا گمان تھا کہ آپ اپنی کسی (دوسری) زوجہ کے ہاں گئے ہوں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ پندرھویں شعبان کی رات (شب براءت) کو آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ تعداد میں لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے''۔ (ترمذی:739)

اس حدیث کو ضعیف قرار دے کر شب براءت کی فضیلت کا انکار کیا جاتا ہے لیکن اسی مفہوم کی صحیح سند کے ساتھ ایک دوسری روایت ملاحظہ ہو:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يَطَّلِعُ اللهُ إِلَى خَلْقِهِ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات (شب براءت) کے موقع پر اپنی مخلوق پر نظر فرماتا ہے اور اپنی تمام مخلوق کو بخش دیتا ہے سوائے مشرک اور کینہ رکھنے والے کے''۔

(صحیح ابن حبان:5665)

شعیب الارنؤوط نے اس روایت کو صحیح لکھا۔ مسند اسحٰق بن راھویہ میں امام اسحٰق لکھتے ہیں کہ اوزاعی نے اس (حدیث) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ''مشاحن'' سے مراد وہ شخص ہے جو اُمت (مسلمانوں کے گروہ) سے علیحدگی اختیار کرتا ہے۔

قارئین کرام!

یہ رات دعا کی رات ہے

یہ رات مغفرت طلب کرنے کی رات ہے

یہ رات اللہ ربّ العزت کی بارگاہ میں گڑگڑانے کی رات ہے۔

یہ رات قیام کی رات ہے۔ اس رات کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

مولیٰ المسلمین، سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب نصف شعبان کی رات آئے تو اس رات کو قیام کرو اور دن کو روزہ رکھو۔ اس رات اللہ تعالیٰ سورج کے غروب ہوتے ہی پہلے آسمان پر نزول فرمالیتا ہے اور صبح صادق طلوع ہونے تک فرماتا رہتا ہے: کیا کوئی مجھ سے بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اسے معاف کردوں؟ کیا کوئی رزق طلب کرنے والا ہے کہ اسے رزق دوں؟ کیا کوئی (کسی بیماری یا مصیبت میں) مبتلا ہے کہ میں اسے عافیت عطا فرمادوں؟''

(سنن ابن ماجہ:1388)

طلبِ مغفرت کے حوالہ سے ایک اہم نکتہ

دین اسلام میں دعا، استغفار اور توبہ کی بڑی اہمیت ہے۔

تین جگہوں پر انسان کے گناہ ریکارڈ ہورہے ہیں:

1۔ زمین

2۔ کراماً کاتبین فرشتے

3۔ انسان کے اعضاء

1۔ زمین کی گواہی

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا

اس دن زمین اپنی خبریں خود بیان کرنے لگے گی

اس آیت کی تفسیر میں علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب رقم طراز ہیں کہ:

''زمین پر انسان جو کچھ کرتا ہے زمین اس کے قول فعل، نیکی بدی حرکات سکنات سب کا ریکارڈ اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔ وقت آنے پر زمین کے ذرّے بولیں گے، چٹانوں کو زبان مل جائے گی، گلیاں بازار شہادتیں فراہم کریں گے، مکان کا ہر زاویہ، زماں کی ہر گھڑی، تعلقات کا ہر موقع،

فضاؤں کی ہر روش اور آماج گاہوں کا ہر لمس پکار اٹھے گا اس انسان نے یہ کیا ہے۔ نیکی یا بدی جیسے مجرموں کے اعضاء ناطق بن جائیں گے ایسے ہی زمین کے ٹکڑے، سنگ و حجر انسان کے خلاف خبریں سناڈالیں گے۔

حضرت ربیعہ الخرشی فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا:

''زمین سے بچ کر رہنا کیونکہ یہ تمہاری جڑ ہے اس کی پشت پر کوئی عمل کرنے والا ایسا نہیں جس کے عمل کی یہ خبر نہ سنائے خواہ وہ عمل اچھا ہو یا برا''۔

(سورۃ الزلزال: تفسیر تبصرہ)

2۔ کراماً کاتبین کی گواہی

فرشتے انسان کے اعمال محفوظ کرنے کے لیے ہر لمحہ تیار ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ﴿۱۸﴾ (سورۃ ق)

''اور جب لے لیتے ہیں دو لینے والے، ایک دائیں بیٹھا اور دوسرا بائیں بیٹھا۔ انسان زبان سے کوئی لفظ ادا نہیں کرتا مگر ایک تیز تیار فرشتہ اسے محفوظ کر لیتا ہے''۔

سورۃ کہف میں ارشاد فرمایا:

وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَ یَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّ لَا كَبِیْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَ لَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

''اور نوشتہ اعمال رکھا جائے گا تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ نوشتہ کے مشمولات کی وجہ سے سہمے ہوں گے اور کہیں گے ہائے! ہماری شامت اس تحریر کو کیا ہوا اس نے چھوٹا چھوڑا نہ بڑا مگر گن گن کر رکھ دیا اور اپنے کیے ہوئے اعمال انہوں نے حاضر پائے اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا''۔

(الکہف:49)

سورۃ انفطار میں ارشاد فرمایا:

وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ﴿۱۱﴾ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

''حالانکہ تم پر حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں، معزز لکھنے والے، جانتے ہیں جو تم کرتے ہو''۔ (الانفطار)

مفسر قرآن، علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب اپنی مایہ ناز تفسیر ''تبصرہ'' میں رقم طراز ہیں:

مخدوم سید جلال الدین سرخ بخاری علیہ الرحمہ کے ملفوظات میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا ایک خطبہ پڑھا:

اے اللہ کے بندو!

''کبھی تم نے سوچا کہ تم ہی میں سے کچھ لوگ تم پر مقرر کر دیے گئے ہیں جو تمہاری نگرانی کرتے ہیں۔ وہ تمہارے بدن کے اعضاء ہیں اور کچھ دیگر صحیح اور محتاط طریقے سے تمہارا حساب رکھنے والے ہیں اور وہ تمہارے ہر عمل کو لکھتے ہیں یہاں تک کہ تمہاری سانسوں کی تعداد بھی انہیں معلوم ہوتی ہے۔ اُن کے اور تمہارے درمیان مضبوط دروازے اور رات کی ظلمتیں حجاب نہیں بن سکتیں''۔

(تفسیر تبصرہ)

آیت میں حافظین سے مراد فرشتے ہیں جو انسانی اعمال کی نگرانی کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''یہ بزرگ فرشتے تم سے جنابت اور پاخانہ کی حالت کے سوا کسی وقت جدا نہیں ہوتے تم ان کا احترام کرو غسل کے وقت بھی پردہ کر لیا کرو''۔

ایک اور حدیث میں ہے:

''کراماً کاتبین جب بندوں کا روزنامہ اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں تو شروع اور آخر میں استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اس کے درمیان درمیان کی سب خطائیں اپنے بندے کو معاف کر دی ہیں''۔

(تفسیر تبصرہ)

3۔ انسان کے اعضاء کی گواہی

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾

''اس دن ہم مہر لگا دیں گے اُن کے مونہوں پر اور بولیں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے اُن کے پاؤں اُس پر جو وہ کمایا کرتے تھے''۔ (سورۃ یٰس)

صاحب تفسیر تبصرہ، علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''وجود کے اعضاء منتشر ہو کر اللہ کے سامنے عجز کا اظہار کر رہے ہوں گے اور ہر عضو اور ہر حصہ اپنے اندر چھپائی ہوئی محفوظ شہادتیں امانت سمجھ کر اگل دے گا انسانی جسم کے گونگے اعضاء بھی ابن آدم کی کارستانیوں کی سرگزشت سنا رہے ہوں گے حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم رسالت مآب ﷺ کے پاس موجود تھے کہ آپ ﷺ اچانک ہنسنے لگ گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک دکھائی دینے لگ گئے۔ آپ ﷺ ارشاد فرمانے لگے کہ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ میں کیوں ہنسا ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی خوب جانتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: میرے ہنسنے کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کا دن ہوگا اور بندہ اپنے ربّ سے مجادلہ کرے گا کہے گا: اے پروردگار! تو نے مجھے ظلم سے نجات دی ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں میں نے تجھے ظلم سے نجات دی اس پر بندہ عرض کرے گا کہ آج کے دن میں اپنے اوپر سوائے اپنی ذات کے کسی کو گواہ تسلیم نہیں کرتا پس حکم ہوگا: پھر تیرا نفس ہی حساب لینے والا کافی ہے اور کرامت والے فرشتے کافی گواہ ہیں پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء اس کے اعمال کھولنے لگ جائیں گے''۔

قیامت کے دن اعضاء کی گواہی کے ضمن میں اس آیت کے علاوہ قرآن مجید کے دو اور محل ملاحظہ ہوں، سورۃ نور میں ارشاد ربّ العزت ہے:

یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

''ایک ایسا دن ہوگا جب اُن کی زبانیں اور ہاتھ اور اُن کے پاؤں اُن کے خلاف گواہی دیں گے اُس کی جو وہ کرتے تھے''۔

سورۃ حم السجدہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾

''یہاں تک کہ وہ جب دوزخ سے قریب آئیں گے تو ان کے اپنے ہی کان، آنکھیں اور جلدیں گواہی دیں گی جو کچھ وہ کرتے رہے''۔

مذکورہ آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ہاتھ اور پاؤں ہی گواہی نہیں دیں گے بلکہ

آنکھیں، کان، جلدیں اور زبانیں بھی کیا ہوا کھولیں گی۔

(تفسیر تبصرہ: سورۂ یٰس)

قارئین کرام!

انسان زمین کے جس ٹکڑے پر گناہ کرتا ہے وہ جگہ اور جس مکان کے اندر گناہ کرتا اس کے در و دیوار قیامت کے دن اس کے خلاف گواہ بن جائیں گے۔ انسان کا اپنا وجود اس کے خلاف گواہ بن جائے گا اور کراماً کاتبین کی لکھی ہوئی کتاب بھی انسان کے خلاف گواہی دینے کے لیے تیار ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ اگر بھٹکا ہوا انسان راہ راست پر آنا چاہے تو کیا کوئی تدبیر یا کوئی راستہ ایسا ہے کہ اس کے خلاف سارے گواہ اور ثبوت ختم ہوجائیں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یقیناً ایک تدبیر اور ایک راستہ ایسا ہے کہ ہر جگہ سے انسان کے بُرے اعمال کو ختم کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو:

عَن أنس رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذا تَابَ العَبدُ من ذنوبه أنسى الله عز وَجل حفظته ذنوبه وأنسى ذَلِكَ جوارحه ومعالمه من الأَرْض حَتَّى يلقى الله يَوْم الْقِيَامَة وَلَيسَ عَلَيهِ شَاهد من الله بذنب۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ عز وجل اس کے گناہوں کو اس کے (اعمال لکھنے والے) فرشتوں سے بھلا دیتا ہے، اور اس کے اعضاء (جسم کے حصے) اور زمین کی نشانیوں کو بھی بھلا دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملاقات کرتا ہے کہ اس کے خلاف کسی گناہ کی کوئی گواہی باقی نہیں رہتی“۔

(الترغیب والترہیب: کتاب التوبہ)

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ، كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ

”گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص جیسا ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو“۔

(سنن ابن ماجہ: 4250)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لو اخطاتم حتى تبلغ خطاياكم السماء، ثم تبتم لتاب عليكم

”اگر تم گناہ کرو یہاں تک کہ تمہارے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں، پھر تم توبہ کرو تو (اللہ تعالیٰ) ضرور تمہاری توبہ قبول کرے گا“۔

(سنن ابن ماجہ: 4248)

توبہ ہی وہ واحد راستہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے گناہوں کا ریکارڈ Delete for everyone فرما دیتا ہے۔

شعبان میں درود شریف پڑھنے کی فضیلت

ابن ابی الصیف الیمانی فقیہ نے شعبان کے فضائل پر اپنی کتاب میں ایک باب قائم کیا ہے، جس میں انہوں نے ذکر کیا کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”جو شخص شعبان کے مہینے میں ہر روز نبی اکرم ﷺ پر سات سو مرتبہ درود بھیجے، اللہ تعالیٰ فرشتوں کو مقرر کرتا ہے کہ وہ اس درود کو نبی اکرم ﷺ تک پہنچائیں اور اس سے رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک خوش ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ قیامت کے دن تک اس شخص کے لیے استغفار کریں“۔

(القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع: امام السخاوی)

شب برأت کے موقع پر حضرت امام حسن علیہ السلام کا معمول

ابن ابی الصیف نے ذکر کیا کہ طاؤس یمانی سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے شعبان کی پندرہویں رات (لیلۃ الصک) اور اس رات کے اعمال کے بارے میں پوچھا؟

حضرت حسن علیہ السلام نے فرمایا:

میں اس رات کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں:

ایک تہائی حصے میں اپنے نانا، نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

دوسرا تہائی حصہ میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں، دو دو مرتبہ، اس آیت کے مطابق:

وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ

”اور اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا جب تک وہ استغفار کرتے رہیں“۔

اور تیسرے تہائی حصے میں میں رکوع اور سجدہ کرتا ہوں، اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے:

”اور سجدہ کرو اور (اللہ کے) قریب ہو جاؤ“۔

میں نے (طاؤس نے) پوچھا:

جو شخص یہ عمل کرے، اس کا ثواب کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا:

میں نے اپنے والد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے سنا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص ”لیلۃ الصک“ کو زندہ کرے (عبادت میں گزارے) اسے مقربین میں لکھا جائے گا“۔

(القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع: امام السخاوی)

دعا کی قبولیت اور مغفرت سے محروم لوگ

اس رات اللہ تعالیٰ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ لوگوں کو مغفرت عطا فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دریا جوبن پر ہوتا ہے لیکن چند لوگ ایسے بھی ہیں جو اس عطا و رحمت سے محروم رہتے ہیں:

1۔ شرک کرنے والا
2۔ بغض و کینہ رکھنے والا اور حسد کرنے والا
3۔ کسی کو ناحق قتل کرنے والا
4۔ شراب نوشی کرنے والا
5۔ والدین کا نافرمان
6۔ عادی زانی
7۔ قطع رحمی کرنے والا

زندگی کے سارے ہنگامے گفت و کلام، فکر و نظر اور فعل و عمل ہی سے ہیں۔ اگر ان چیزوں کی سمت درست ہو جائے تو زندگی زندگی ہے اور انہیں صراطِ مستقیم کا سراغ نہ لگ سکے تو پھر موت کی سیاہی اور فنا کی تاریکی کے سوا کچھ نہیں

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس — منجانب: ڈاکٹر محمد آصف کوٹ لکھپت لاہور

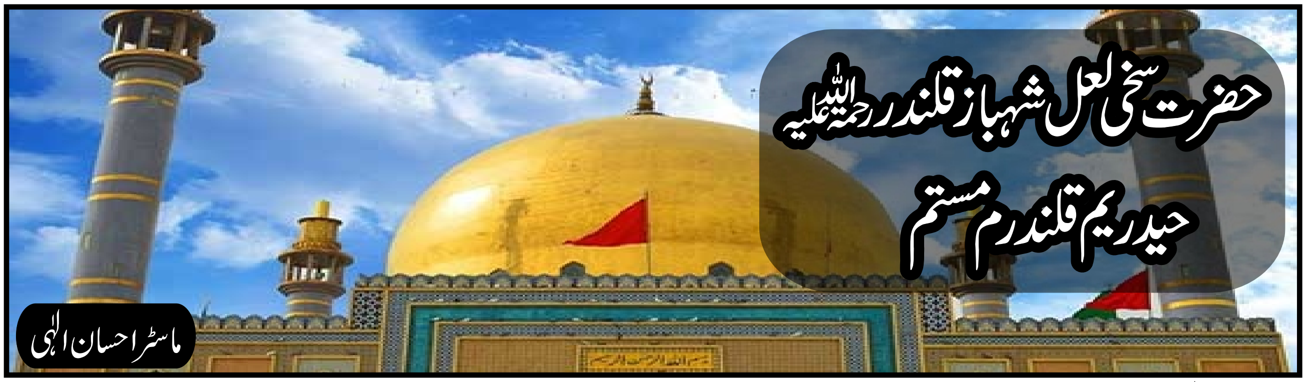

حضرت سخی لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ

حیدریم قلندرم مستم

ماسٹر احسان الٰہی

جنابِ معظم و محتشم رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں کہ خاموش ہوں تو خاموشی ان کی ذکر ہو، نظر کریں تو نظر کرنا ان کی عبرت ہو اور گویا ہوں تو گویائی ان کی حکمت ہو اور چلیں تو چلنا ان کا درمیان لوگوں کے برکت ہو اور اجل ان کی لکھی گئی ہے۔ ایک معین وقت کے واسطے نہ ہو تو ارواح ان کے بدنوں میں نہ ٹھہریں خوفِ عذاب سے اور شوق ثواب سے۔

ایک موقع پر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ابن طالب نے ''الا ان اولیآء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون'' کی آیت مجیدہ پڑھ کر فرمایا کہ جانتے ہو وہ اولیاء خدا کون ہیں؟ لوگوں نے کہا اے امیر المومنین! آپ خود ہی ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: وہ ہم ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ہمارے بعد ہماری پیروی کریں گے، آپ سے زیادہ خوش خبری ان کے لیے ہے۔ لوگوں نے پوچھا: امیر المومنین! ان کے لیے ہم سے زیادہ خوش خبری کیوں ہے؟ کیا ہم اور وہ ایک عقیدہ پر نہیں ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں'' وہ اتنی اتنی تکالیف اٹھائیں گے جو تم نے نہیں اٹھائیں اور وہ اس طاقت کا مظاہرہ کریں گے جس کا مظاہرہ تم نے نہیں کیا۔

(تفسیر عیاشی سے ماخوذ)

روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ ولی خدا کا کون ہے؟ حضور آقا ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شانہ پر مار کر فرمایا کہ یہ ہے ولی خدا کا! دوستی کرو تو اس سے اگرچہ اس نے تیرے باپ یا بھائی کو قتل بھی کیا ہو۔ اولیاء اللہ میں ایک ایسا ہی درخشندہ اور تابندہ ستارہ دامن شہنشاہِ ولایت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب تھام کر دنیا بھر میں توحید و رسالت کا پیغام عام کرنے والی عظیم اور سرخیل ہستی حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے وسطی ایشیاء اور سرزمین برِصغیر میں ترویج اسلام کے لیے ہر مصیبت اور غم برداشت کیا لیکن کبھی حزن و ملال نہ کیا اور جن کی صدائے قلندرانہ پوری دنیا میں گونج رہی ہے۔

حیدریم قلندرم مستم
بندۂ مرتضیٰ علی ہستم
سر گردہ تمام رند انم
رہبرِ سالکم بحار فانم
ہادیٔ عاشقانم مستانم
کہ سگِ کوئے شیر یزدانم

عددی کثرت سے محروم قلندر کے دل میں کبھی طاقت والوں کی کثرت کا خوف نہ آیا اس لیے کہا کہ حیدریم قلندرم مستم اور بتایا کہ میں شیر خدا علم بردارِ اسلام علی ابن طالب سے نسبت رکھتا ہوں جو نبی اکرم ﷺ کا ساتھ دیتے ہوئے نہ ابوجہل و ابولہب سے ڈرے نہ مرحب و عنتر سے اور شہادت کا جام پیتے ہوئے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا کہ **فزت و رب الکعبۃ** جہاں متاع حیات اسلام پر نچھاور کرتے ہوئے کامیابی کا اعلان کیے جا رہا ہو، ان کے گاڑے ہوئے علم کون جھکا سکتا ہے؟

قلندر لعل شہباز صرف نام کے حسینی نہ تھے بلکہ اپنے عمل سے انہوں نے راہِ کربلا پر چل کر دکھایا، جن کے پیاروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے اور انہیں جلا کر ان کی راکھ ہوا میں اڑا دی جائے لیکن چہرے پر حزن و ملال نہ آئے اور دین کی عملی تبلیغ سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹیں، انہیں حسینی لعل قلندر کہا جاتا ہے۔ لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت بتا رہی ہے کہ حکمرانوں کا غرور طاقت، جاہ و جلال سب خاک میں مل جاتا ہے لیکن کانٹوں پر چلتے ہوئے ذکرِ خدا کرنے والے صدیوں بعد بھی لاکھوں دلوں پر راج کرتے نظر آتے ہیں اور ان کی سلطنت وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

حضرت قلندر نے اپنے تعارف کا آغاز حیدری ہونے کی حیثیت سے کرایا کیونکہ نفس رسول ﷺ حیدر کرار رضی اللہ عنہ ہی وہ ہستی ہیں جنہوں نے دنیا کو مخاطب کر کے بارہا یہ کہا ہے کہ ''اے دنیا غری غیری'' جا میرے علاوہ کسی اور کو دھوکا دے، میں نے تجھے طلاق بائن دے دی ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے دنیا کو ٹھوکر ماری تو قلندر کیسے دنیا سے دل لگا سکتے تھے، مادیت اُن کی نگاہ میں حقیر، بے وقعت اور ناپائیدار تھی۔ جو لوگ دنیا کی حقیقت سے واقف ہوا سے دنیا کہاں لذت دے گی اور جو سمندر سے آشنا ہے قطرہ اس کی نگاہ میں کوئی قیمت نہیں رکھتا۔

قلندر پاک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عمل سے دنیا کو بتایا کہ اللہ کے اولیاء معرفت کی روشنی کے ساتھ خدا کو دل کی آنکھ سے ایسے دیکھتے ہیں کہ ان کے دل میں کسی قسم کا شک اور تردّد پیدا نہیں ہوتا۔ یقین محکم کے ساتھ عمل پیہم ان کا طرّہ امتیاز ہوتا ہے۔

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ ولی کامل مجاور کربلا سید السادات حضرت ابراہیم مجاب کی اولاد سے ہیں اور سیّد ابراہیم مجاب اولاد امام موسیٰ کاظم میں وہ عظیم المرتبت ہستی ہیں جنہیں نواسۂ رسول حضرت امام حسین علیہ السلام کے حرم میں مدفون ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ مؤرخین کے مطابق وہ پہلے سید فاطمی تھے جنہوں نے کربلا ہجرت کی جب کہ وہ نابینا ہو چکے تھے۔ اس دوران متوکل کے بیٹے منتصر عباسی نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ متوکل نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے روضے کی زیارت پر پابندی عائد کر رکھی تھی لیکن اس کا بیٹا منتصر متوکل کی طرف سے خانوادۂ اہل بیت پر ہونے والے ظلم و ستم سے پریشان تھا، اس لیے اس نے انہیں امام حسین رضی اللہ عنہ کے روضے کی اجازت دے دی تھی۔ شیخ عباس قمی سید تاج الدین بن زہرہ سے روایت ہے کہ سید ابراہیم کے مجاب کے لقب سے مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ حرم امام حسین رضی اللہ عنہ میں داخل ہوئے اور کہا: **السلام علیک یا جداہ** (سلام ہو آپ پر اے میرے جد) تو ان کے جواب میں ایک

ندا آئی: وعلیک السلام یا ولدی (تم پر بھی سلام ہوا اے میرے بیٹے)۔ اسی سبب سے وہ مجاب کہلائے یعنی جس کا جواب دیا گیا۔ (منتھی الامال فی تواریخ النبی والآل۔ شیخ عباس قمی)

جب سیّد ابراہیم کی وفات ہوئی تو انہیں حرم امام حسین علیہ السلام کے دروازے کی طرف صحن میں دفن کیا گیا اور آپ کا مرقد آج بھی مرجع خلائق ہے۔ حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کم سنی سے ہی قرآن کے حافظ نظر آتے ہیں، دین و شریعت کے مبلغ ہیں۔ گمراہی میں بتلا افراد لعل شہباز قلندر کے مزار سے یادِ خدا کا جذبہ اور فیض پاتے ہیں۔ عجب کشش ہے قلندر کی سیرت میں کہ جنہیں کھانے کو میسر نہیں وہ اپنا سب کچھ بیچ کر سہون کا رخ کرتے ہیں کیونکہ وہاں انہیں سکونِ قلب کی دولت میسر آتی ہے، ظلم و جبر کے ستائے ہوئے لوگوں کو امان ملتی ہے۔ قلندر لعل شہباز رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام اتنا طاقتور ہے کہ گولہ بارود بھی اس کو دبا نہیں سکتے۔ فروری 2016ء میں قلندر شہباز کے مزار پر بارود کی برسات کردی گئی، بیسیوں زائر شہید ہو گئے لیکن حضرت داتا گنج بخش اور سیّد عبداللہ شاہ غازی کی طرح دھماکوں کے چند لمحات بعد وہی امن و محبت اور انسان دوستی کے ترانے قلندر پاک کے مزار پر گونج رہے تھے اور دنیا نے یہ منظر دیکھا کہ صرف اللہ کے ولی ہی نہیں، ان کے سچے ماننے والے بھی جبر، تشدد، نفرت اور دہشت گردی کے ہتھکنڈوں سے نہیں ڈرتے۔ قلندر لعل شہباز کے مزار کی رونق دنیا کو بتا رہی ہے کہ ظلم کی آندھیاں کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہوں، توحید و رسالت و ولایت کے حقیقی مبلغین اولیاء اللہ کے مزار پر جلنے والے امن و محبت اور انسانیت دوستی کے چراغوں کو کبھی نہیں بجھا سکتیں بقول اقبال:

دبدبۂ قلندری ، طنطنۂ سکندری
آں ہمہ جذبۂ کلیم ، ایں ہمہ سحرِ سامری

سندھ صوفیائے کرام کی دھرتی ہے اور بزرگانِ دین کے مزارات پر منعقدہ عرس کی روحانی تقاریب صوبے کی اس ثقافت کا جزو ہیں جس میں رواداری، تحمل، برداشت کو بنیادی حیثیت و اہمیت حاصل ہے۔ وادیٔ مہران میں یوں تو لاکھوں بزرگ مدفون ہیں لیکن سچل سرمست، قلندر شہباز اور عبد اللطیف بھٹائی کو خصوصی مقام میسر ہے۔ اوّل الذکر کو بھی سہون سے خصوصی نسبت ہے کہ حضرت عبدالوہاب فاروقی المعروف سچل سرمست کے جدامجد خواجہ شہاب الدین فاروقی فاتح سندھ محمد بن قاسم کے ہمراہ سندھ وارد ہوئے تھے اور انہیں سہون کا منتظم، والی یا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ یہ منصب اس خاندان کے پاس محمود غزنوی کے غلبے تک موجود رہا۔

سچ یہ ہے کہ اب سہون اور لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ لازم و ملزوم ہیں۔ شعبان المعظم کے تیسرے ہفتے میں سندھ اور دوسرے صوبوں سے قافلوں کا رخ سہون کی طرف ہوتا ہے جہاں زائرین حاضری دے کر من کی مرادیں پاتے ہیں۔ سندھ، سنوارنا، سیوستان، سدوسان اور سدو مانیا سے سہون تک کے سفر میں اس شہر نے تاریخ کے کئی رخ دیکھے لیکن اسے شہرت بارہویں صدی عیسوی میں ہی ملی جب حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنا مسکن بنایا۔ آپ مروند میں پیدا ہوئے جسے کچھ لوگ تبریز کا نواحی قصبہ بتاتے ہیں تو بعض کے خیال میں یہ آذربائیجان کے قریب واقع ہے۔ بیشتر مؤرخین کے مطابق آپ کی ولادت 538ہجری میں ہوئی۔ والد کا نام سید ابراہیم کبیر الدین منقول ہے جو اپنے زمانے کی صاحب کمال شخصیت گردانے جاتے ہیں اور سلسلۂ نسب آگے چل کر امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد باطنی علوم کے حصول کے لیے بابا ابراہیم کربلائی سے بیعت کی اور خرقہ خلافت ملنے پر مکران اور پھر ملتان پہنچے اور مخدوم بہاؤالدین زکریا ملتانی سے حصول فیض کیا۔

آپ سندھ کے ان بزرگانِ دین میں شمار ہوتے ہیں جو اپنی صوفی منش طبیعت لیکن قلندرانہ کیفیت کے باعث جلالی مزاج کے حامل ہیں۔ آپ کے کشف و کرامات کے درجنوں واقعات مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ کے دم کردہ پانی سے بیمار شفایاب ہوجاتے۔ تبلیغ کا انداز سادہ لیکن اندازِ گفتگو متاثر کن تھا جس کے سبب آپ کی شہرت دور دور تک پھیلی اور ہزار ہا افراد نے اسلام قبول کیا۔ ایک تذکرے میں منقول ہے کہ آپ نے بہت سفر کیے اور بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری دی۔ مشہد مقدس میں امام رضا پاک رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مراقبہ میں حج کا حکم ملا تو براستہ عراق حجاز کا سفر اختیار کیا۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر چلہ کشی اور سرکار غوث پاک کے روضۂ اقدس پر کسب فیض کے لیے رکے۔ کہتے ہیں کہ شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے خواب میں زیارت کا شرف ملا تو حکم ملا کہ ”عثمان تم ہمارے قلندر ہو، یہاں تمہارا کام مکمل ہوا۔ اٹھو اور اب اللہ کے گھر کا قرب حاصل کرو، پھر بغداد سے نکلے اور حجاز مقدس تک پیدل گئے۔ راستے میں کربلائے معلّٰی، نجف اشرف سمیت تمام مقامات مقدسہ پر حاضری اور مزاراتِ متبرکہ سے فیوض و برکات سمیٹے۔ مکہ معظّمہ پہنچے تو غالباً شعبان یا رمضان کا مہینہ تھا۔ سو عمرہ ادا کیا اور پھر حج تک عبادت و ریاضت میں مصروف رہے اور ادائیگی حج مقدسہ کے بعد کم و بیش ایک برس روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کیفیت میں گزارا کہ گھنٹوں صلوٰۃ و سلام پیش کرتے اور تجلیات و برکات سے مستفیض ہوئے۔ سرکارِ مدینہ سے ہند کی سمت کوچ کا اشارہ ملا تو حج کے ایام قریب تھے پھر حج کیا اور بغداد میں دربار غوث پاک کی زیارت کے بعد ایران و مکران سے ہوتے ہوئے سندھ اور پھر راجستھان کے علاقے اجمیر شریف پہنچے۔ سلطان الہند کی بارگاہ میں چالیس دن کی چلہ کشی میں دہلی جانے کا اذن ملا تو قطب الاقطاب حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں مراقبہ کیا اور کئی دیگر بزرگوں سے اکتساب فیض کیا اور پھر پانی پت پہنچ کر حضرت بوعلی شاہ قلندر سے ملے۔

ایک تذکرے میں منقول ہے کہ سید نا لعل شہباز قلندر کو شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ بہت عزیز رکھتے تھے، منازل طریقت طے کرائیں اور منصب قلندر کے اسرار و رموز بتائے۔ نیز فرمایا: عثمان تم ہمارے دوست ہو اور ہمیں بہت عزیز ہو، دل چاہتا ہے کہ تم یہیں قیام کرو لیکن مشیت ایزدی یہ ہے کہ اہل سندھ کو تم سے فائدہ پہنچے، اس لیے پہلے ملتان کا رُخ کرو پھر قدرت تمہاری خود راہنمائی کرے گی چنانچہ آپ اجمیر شریف سے لاہور کے راستے ملتان پہنچے۔ اس دوران آپ نے حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر خصوصی ریاضت کی پھر ملتان جو مدینۃ الاولیاء سے وہاں پہنچے اور اس عہد کے اولیاءعظام سے اپنے حصے کے اعزازات حاصل کیے اور سہون کا سفر اختیار کیا۔

649ہجری کا ذکر ہے جب سندھ کے اس شہر سہون میں سماجی اور معاشرتی برائیوں کا غلبہ تھا، فحاشی عروج پر تھی۔ آپ کے آتے ہی قدرتی طور پر اس کی رونقیں ماند پڑ گئیں۔ عورتوں اور وہاں آنے والے مردوں کے دل نیکی کی سمت مائل ہوئے تو بدکاروں نے آپ کو جادوگر قرار دے دیا لیکن آپ کی ہیبت وجلال کا یہ عالم تھا کہ حملہ آوروں کا گروہ سامنے آیا تو کانپنے لگا

اور معافی کا طلبگار ہوا۔ اس دور میں سہون سے ملحقہ بستی کے لوگوں نے آپ کا مذاق اڑایا اور آپ کے خادمِ خاص شیخ بودلہ کو شہید کر دیا تو آپ نے عالمِ جلال میں اپنے پانی پینے کے کٹورے کو الٹا کے زمین پر پٹخا، اسی وقت وہ بستی الٹ گئی۔ آج بھی سہون کے باہر پہاڑی جسے عقیدت مند ''عتاب زدہ بستی'' کے نام سے پکارتے ہیں، اس کی کھدائی ہوتی ہے تو اس میں سے برتن، سکے اور انسانی ہڈیاں نکلتی ہیں۔ سہون میں آپ نے کم و بیش 8 سال قیام کیا اس دوران لاکھوں کی تعداد میں افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ سندھ کے دور دراز مقامات تک آپ نے اسلامی تعلیمات کو پھیلایا اور سچ یہ ہے کہ پاک و ہند بلکہ ایران، افغانستان اور وسطی ایشیا تک سہون نے آپ ہی کی وجہ سے شہرت پائی۔ آپ لعل شہباز اور قلندر کے القابات سے معروف ہیں۔

روایت ہے کہ آپ سرخ لباس زیب تن کرتے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کے جد امجد حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے جنت سے سُرخ رنگ کا لباس آیا تھا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ محفل سماع میں آپ جب دھمال ڈالتے تو تلووں سے بہنے والا خون جس پتھر پر پڑتا وہ لعل بن جاتا۔ اسی طرح بعض بزرگوں نے تحریر کیا ہے کہ آپ عالمِ جذب میں پتھروں کو الٹ پلٹ رہے تھے کہ کسی نے آ کر کہا کہ بزرگوں کو تو لعل و جواہر سے کھیلنا چاہیے پتھروں سے نہیں، آپ کھڑے ہوئے اور جھولی میں پڑے تمام پتھر زمین پر پھینکے تو وہ لعل بن چکے تھے۔ شہباز قلندر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ کے کسی بے گناہ مرید کو حاکم وقت کے حکم پر پھانسی دی جا رہی تھی اور گلے میں پھندا ڈالا جا چکا تھا کہ آپ نے ایک جست لگائی اور مرید کو دار پر سے اٹھا لائے چنانچہ ہم عصروں نے شہباز کا خطاب دیا۔

قلندر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ کا علمی مقام و مرتبہ بھی خاصا بلند ہے۔ آپ کی شاعری کے مجموعے ''کشکول'' کو فارسی پر عبور رکھنے والے افراد نے قلندرانہ جذب و مستی کی کیفیت کا آئینہ دار قرار دیا ہے۔ کئی کتب میں مذکور ہے کہ سندھ کے دینی مدارس میں صرف و نحو کی جو تعلیم انگریز عہد سے قبل دی جاتی تھی اس کے نصاب میں شامل ''میزان الصرف'' حضرت لعل شہباز قلندر کی تصنیف تھی۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی نے اپنی تصنیف ''مدحِ سندھ'' میں آپ کے علم و فضل اور متعدد کتب کا تذکرہ کیا ہے۔

آن شاہ ہر دو عالم عربی محمد است
مقصود بود آدم عربی محمد است

مؤرخین حضرت سیّد عثمان مروندی المعروف سخی لعل شہباز قلندر کو ایک بلند پایہ شاعر سمجھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ کے کلام میں معرفت الٰہی اور سرکار مدینہ حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کی مدح سرائی، عشق خداوندی کا والہانہ انداز جا بجا نظر آتا ہے۔ انہوں نے محبت، اخلاص، ہمدردی، بھائی چارے، اتحاد و اتفاق اور امن کا پیغام دیا ہے۔

قلندر کے نزدیک خداوند کریم نے انسان کو ایک شاہکار تخلیق کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ انسانوں میں بہترین میرا محبوب، میرے آقا محسن انسانیت ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس تمام انسانوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ سخی شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے آقا ﷺ کے پوشیدہ راز، بھید اور اسراروں سے آشنائی پر دھمال ڈالتا ہوں۔

لطف آں ایزد کہ از قدرت نمود انسان
صنم بہتر براز روشن براں اسراری رقصم

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے لطف و کرم سے تخلیق کیا۔ ان میں سب سے بہترین میرا محبوب ﷺ ہے۔ میں ان اسراروں سے شناسائی پر رقص کرتا ہوں۔ یہ ایک الگ دنیا ہے۔ یہی وہ عظیم اور صاحب علم و بصیرت لوگ ہیں جو دکھی انسانیت کی نہ صرف راہنمائی کرتے ہیں بلکہ بھٹکے ہوؤں کو صحیح راستے پر لاتے ہیں جنہیں بابا سائیں، بوریہ نشیں، اللہ والے، بوری والی سرکار، پیالے والی سرکار، پیر ٹل، ملنگ، مست اور قلندر کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ ان کی مال و متاع سب کچھ ذاتِ خدا اور عشقِ رسول ﷺ ہے، یہی کچھ تو ان کا سب کچھ ہے۔ آج ان کے تکیے، خانقاہ، حجرے، آستانے، دربار اور کافیاں زندہ آباد ہیں۔

ایک دفعہ کسی نے اشفاق احمد سے سوال کیا کہ یہ پہنچے ہوئے بابے لوگ کیا ہر زمانے میں ہوتے ہیں تو ان کا کہنا تھا کہ بغیر بابوں کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے۔ یہ ہر دور میں ہوتے ہیں اور یہ ایک روحانی نظام ہے۔ یہ اولیاء اللہ دنیا کے ہر خطے میں پھیلے ہوئے ہیں اور دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے دوست ہیں اور اللہ ان کا دوست ہے۔ انہوں نے اللہ کی بات مانی، اس لیے اللہ ان کی بات کو مان لیتا ہے جس طرح وہ چاہتے ہیں ویسے ہو جاتا ہے لیکن وہ اپنے لیے کچھ نہیں مانگتے لوگوں کی مشکلات کے لیے اپنے ربّ سے دعا کرتے ہیں اور اپنے لیے صرف اللہ کی رضا پر ہی شاکر رہتے ہیں۔ نگاہِ مردِ مومن رکھنے والے سچے لوگوں کو حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبال نے یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

ایک درویش صوفی حضرت واصف علی واصف فرمایا کرتے تھے کہ بادشاہوں نے بادشاہی چھوڑ کر فقیری تو اختیار کی ہے مگر کبھی کسی فقیر یا صوفی نے فقیری چھوڑ کر بادشاہی نہیں لی۔ شہباز قلندر کے پاس مال و دولت کی قطعاً فراخی اور زیادتی نہ تھی۔ زیادہ تر وقت عبادت و ریاضت اور مجاہدہ میں گزارتے۔ اکثر بھوکے پیاسے ہی سو جاتے، یہ صرف حب محمدی ﷺ کی وجہ سے تھا۔ قلندر لعل شہباز رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو بتایا کرتے تھے کہ دینِ محمدی ﷺ ہی وہ سچا مذہب اور صراطِ مستقیم ہے جو تمہاری اندھیر نگری میں نور کا اجالا کر سکتا ہے۔ تبلیغِ اسلام کے سلسلے میں ان کی پوری زندگی اسوۂ رسول ﷺ کا نمونہ تھی۔ وہ جب بھی تبلیغ کے ارادے سے اپنی خانقاہ سے باہر قدم رکھتے تھے تو پہلے اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے اور اس کے بعد زبان سے تبلیغ کے جملے ادا کرتے۔ نہایت میٹھے اور محبت بھرے انداز میں ربّ العزت کی رحمت اور بے پناہ عنایتوں کا ذکر کرتے اور رسولِ اکرم ﷺ کے اخلاق مبارکہ و کریمانہ اور پاکیزہ زندگی کے واقعات کا تذکرہ کرتے۔ قلندر شہباز رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں ایک خاص کشش تھی جس کی وجہ سے لوگ ان سے بہت متاثر ہوئے۔ ہزار ہا لوگ گناہوں سے توبہ کر کے نیکی کے راستے پر آ گئے۔ روحانیت کا سلسلہ شریعت سے شروع ہوتا ہے۔ طریقت سے ہوتا ہوا معرفت تک پہنچتا ہے، معرفت کا مطلب حضور ﷺ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ معرفت (وسیلہ) کے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی ناممکن ہے۔ آپ کا کلام عشقِ رسول ﷺ سے بھرپور ہے جس کا ترجمہ اور خلاصہ یوں ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ دونوں جہانوں کے بادشاہ و شہنشاہ ہیں اور محسن انسانیت ہی محمد عربی ہیں جو مقصودِ اوّل ہیں۔ آپ ﷺ نے پیدا ہوتے ہی

دونوں ہاتھ زمین (تراب) پر ٹیک کر تکبیر کہی اور حمدِ خدا بجالائے۔ محمد عربی ﷺ کے ظہور کے وقت ایک ایسا نور آپ سے ساطع ہوا کہ ساری کائنات روشن ہو گئی۔ درویش اکثر شکر کی حالت میں رہتے ہیں۔ اس لیے قلندر شہباز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خداوند کریم کا بے حد شکر کرتا ہوں کہ اس دنیا کے پشت و پناہ میں محمد عربی ﷺ کا ہاتھ ہے۔ قلندر فرماتے ہیں کہ میں اپنے گناہوں سے کیوں پریشان ہو گیا ہوں، مجھے کیا غم ہے؟ جبکہ میرے نبی ﷺ دو جہانوں کے بادشاہ حضرت محمد عربی ﷺ ہیں، مجھے کوئی فکر نہیں، کوئی غم نہیں کیونکہ میرے سر پر تاجدار مدینہ سرور کائنات کا سایۂ مبارک ہے، وہی میرے ہمدرد ہیں اور وہی رسولِ برحق شافعِ روزِ جزا ہیں۔ سلاسل طریقت چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، قادریہ وغیرہ کی طرح قلندریہ بھی صوفیائے کرام کا ایک اہم سلسلہ ہے۔ ایک روایت کے مطابق دنیا میں صرف ڈھائی قلندر گزرے ہیں:

1۔ حضرت بوعلی قلندر
2۔ حضرت لعل شہباز قلندر اور آدھا قلندر بی بی رابعہ بصری ہیں۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ قلندر خدا اور رسولِ پاک ﷺ کے بنائے ہوئے راستوں سے انحراف نہیں کرتا۔ وہ اپنے آپ کو قوانین شریعت کی پابندیوں سے آزاد نہیں سمجھتا اور نہ وہ مست الست ملنگ ہی ہوتا ہے۔ وہ کسی قسم کا دنیوی نشہ بھی نہیں کرتا۔ یہ بے بنیاد اور من گھڑت قصے کم علمی کی بنا پر کہے اور سنے جاتے ہیں۔ قلندر ایک باوقار شخصیت ہوتا ہے۔ قدرتی طور پر جلال اور رعب کا مرقع ہوتا ہے، اس کا چہرہ تابناک، روشن اور نورانی ہوتا ہے۔ وہ دینی علوم کی حدود سے بھی واقف ہوتا ہے۔ وہ کالی کملی والے آقا ﷺ کو اپنا رہبر و راہنما جانتا ہے اور ایسا کوئی فعل اس سے سرزد نہیں ہوتا جو سرکارِ مدینہ ﷺ کو ناپسند ہو۔ دوسرے لفظوں میں قلندر پوری طرح سنت رسول کے مطابق اپنی زندگی گزارتا ہے اور وہ اللہ کی مخلوق سے بے حد پیار کرتا ہے۔ قلندر اپنی ساری زندگی نسل انسانی کی روحانی تربیت اور فلاح و بہبود کے لیے صرف کر دیتا ہے۔ سہون شریف قلندر شہباز رحمۃ اللہ علیہ کے دم قدم سے آباد ہے اور رہے گا۔ درویش بابا قلندر کی اس بستی پر نور کی بارش ہوتی ہے۔ دنیا کے دکھیارے اور غم کے مارے یہاں آکر سکون حاصل کرتے ہیں، اس قلندر نگری میں شاہ و گدا کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ بڑے بڑے صاحب ثروت، صاحبِ اقتدار سرِ نیاز جھکائے، عجز و انکسار کا پیکر بنے آپ کے آستانہ پر حاضری دینا باعثِ فخر و نجات سمجھتے ہیں۔ ہزاروں بے مراد آئے اور با مراد ہو کر لوٹے۔ لاکھوں بھوکے ننگے حاضر ہوتے ہیں اور شکم سیر ہو کر جاتے ہیں۔ دل سے خلوصِ نیت سے مانگی ہوئی دعا قبول ہوتی ہے، رد نہیں ہوتی۔ یہاں مسلمانوں کے تمام فرقوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی حاضری دیتے ہیں، ہندوؤں کو بھی قلندر پاک سے کافی عقیدت ہے۔ ہندو عرس کے موقع پر حاضر ہو کر خاص رسومات ادا کرتے ہیں۔ قلندر کے نام پر لنگر بھی تقسیم کرتے اور جاری کرتے ہیں جو سارا سال جاری رہتا ہے۔

آپ کے مزار پر ترک کے بعض صوفیاء کرام کی طرح صوفیانہ رقص کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے جو دھمال کہلاتا ہے۔ ترکی میں بعض صوفیاء ایک خاص ردھم پر دف کے ساتھ دائرے میں گھومتے ہیں اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار پر محوِ رقص ہوتے ہیں۔ دائرے میں ہوتا یہ رقص ان صوفیاء پر ایک وجد اور ایک خاص کیفیت طاری کرتا ہے جس میں انسان کا روحانی وجود مادی وجود سے کٹ کر زمین و مکان کی دقت اور رکاوٹوں کو عبور کرتا ہوا اپنے مرکزِ حقیقی یعنی ذاتِ الٰہی کی طرف پرواز کرتا ہے اور یہی انسان کی روحانی معراج ہے کہ جب وہ اپنے وجود کی نفی کرتے ہوئے لامکاں کی وسعتوں میں کھو جاتا ہے اور مرکزِ حقیقی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ترکی میں یہ رقص درویش کہلاتا ہے، اسی طرح برصغیر میں صوفیا کے ہاں دھمال کا رواج ہے۔ دھمال میں دف کی جگہ نقارہ بجایا جاتا ہے۔ دھمال کے وقت نقارے کی آواز ایک خاص سُر پیدا کرتی ہے۔ جس سے صوفی یا سالک وجد میں آ جاتا ہے اور حلقہ باندھ کر محوِ رقص ہوتے ہیں۔ صوفیا میں نیند غالب آنے لگتی ہے تو وہ اس غفلت کو دور کرنے کے لیے نقارہ پر چوٹ لگاتے ہیں اور دھمال ڈال کر غفلت کو دور کرتے ہیں۔ جوش اور جذبہ قلندری رنگ کے ساتھ مل کر جب وجد کیف میں آتا ہے تو زمین سے آسمان تک کیف و مستی کی کیفیت چھا جاتی ہے اور مست الست صوفی دھمال کے رنگ میں ڈوب کر فنا کی کیفیت میں چلا جاتا ہے اور وقت میں زمین و زماں اور مکین و مکاں سب اس کے سامنے ہیچ ہو جاتے ہیں اور بقول اقبال: ''ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر'' والی بات سامنے آجاتی ہے اور قلندر وقت کے احتیاج سے نکل کر، وقت کی غلامی سے آزاد ہو کر وقت کو اپنے تابع کر لیتا ہے۔ دف یا نقارے کی آواز روح کے سکوت اور سالک کی غفلت کو توڑتی ہے اور روح کو بیدار کرتی ہے اور مست الحال صوفی جب دم مست قلندر کی لے پر مدہوش ہو کر روحانی قوت کو بیدار پاتا ہے تو خوشی کے مارے دھمال ڈالنے لگتے ہیں۔ دھمال کی کیفیت میں اس کا جسم اپنے مادی وجود سے لاتعلق اور روح کی ازلی و ابدی طاقت اپنے ربّ کی معرفت حاصل کرنے کے شراب الست میں مدہوش ہو جاتی ہے۔

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''سرود و سماع محبوب حقیقی تک لے جانے کا ذریعہ ہوتا ہے''۔

محققین نے سہون کو سندھ کا اجمیر قرار دیا ہے۔

اکثر مؤرخین کی تحقیق کے مطابق 561 ہجری بمطابق 1177ء مروند میں پیدا ہوئے اور 21 شعبان المعظم بمطابق 637 ہجری کو سہون شریف میں طویل جذب و سکر اور گوشہ نشینی کی حالت میں واصل بحق ہوئے۔

آپ کا مزار مبارک سلطان فیروز شاہ تغلق نے گورنر اختیار الدین سے تعمیر کروایا جو چھ گنبدوں پر مشتمل تھا۔

آخر میں تبرکاً لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی رقص کے حوالے سے ایک مشہور غزل جو زبان زدِ عام ہے، پیشِ خدمت ہے جس میں رقص کی وجد کی روحانی کیفیت بیان کی گئی ہے:

نمی دانم کہ آخر چوں دم دیدار می رقصم
مگر نازم کہ ایں ذوقے کہ پیش یار می رقصم
تو آں قاتل کہ از بر تماشا خون من ریزی
من آں بسمل کہ زیر خنجر خوں خوار می رقصم
بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہ جانبازاں
بہ صد سامان رسوائی سر بازار می رقصم
اگرچہ قطرۂ شبنم نہ بوید بر سر خارے
من آں قطرۂ شبنم بر نوک خار می رقصم
خوش آں رندی کہ پامالش کنم صد پارسائی را
زہے تقویٰ کہ من بہ جُبہ و دستار می رقصم
منم عثمان مروندی کہ یارم شیخ منصورم
ملامت می کند خلقے و من بر دار می رقصم

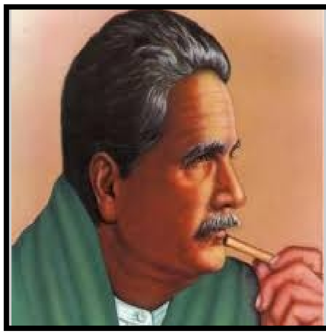

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور فلسفۂ تقلیدِ یار ﷺ

محمد خان نیازی آف چھٹہ وٹہ

شاعرِ مشرق حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور عشقِ رسول ﷺ کا موضوع ایک بحرِ بیکراں کی طرح وسیع و عمیق ہے اور تقلیدِ یار ﷺ اِس کا ایک اہم جزو ہے۔تقلید ہمیشہ عشق کی تمہید ہوا کرتی ہے۔یہ ابدی حقیقت ہے کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے لامحالہ اُسے محبوب کی ہرادا اور ہرنسبت سے جذباتی وابستگی سی ہو جاتی ہے اور پھر وہ ہر معاملے میں اُس کی پیروی کی کوشش کرتا ہے۔ایک سادہ سی مثال محبوب کی نسبت سے جذباتی وابستگی کی حقیقت کو عام فہم انداز میں سمجھنے کے لیے کارآمد ہوسکتی ہے۔ہمارے گاؤں میں ایک لڑکی کی شادی چار پانچ کلومیٹر دور ایک قریبی گاؤں میں ہوگئی تھی۔بعدازاں گھر والے اُس کی کسی غلطی پر بیٹی سے سخت ناراض ہو گئے اور اُس کا میکے میں داخلہ بند کر دیا گیا۔پرانے وقتوں کے لوگ بہت سخت گیر واقع ہوئے تھے اس لیے یہاں تک اکتفا نہ کیا بلکہ گاؤں میں اُس کے داخلے پر بھی پابندی لگا دی گئی۔بہنیں اور بیٹیاں ہمیشہ محبت سے لبریز ہوتی ہیں۔وہ اپنے میکے سے حتی الامکان تعلقات استوار ہی رکھنا چاہتی ہیں لہٰذا وہ بچی بھی حالات بدل جانے کی اُمید میں اپنے دِل پر جبر کرکے گاؤں سے ناطہ توڑنے پر مجبور تو ہوگئی لیکن وہ گھر جس کے آنگن میں بہن بھائیوں کے ساتھ پلی بڑھی تھی اُسے بھول نہیں پاتی تھی۔گاؤں کی گلیاں جن میں وہ اپنی ہمجولیوں کے ساتھ کوکلا شپاتی، چُنجی سائی اور پنج گیٹڑا کھیلی تھی اُس کے دِل و دماغ پر آسیب کی طرح سوار رہتی تھیں۔بارانی زمانے میں اکثر تالاب مشترکہ ہوا کرتے تھے جہاں قریبی گاؤں کی لڑکیوں کی آپس میں ملاقاتیں ہو جایا کرتی تھیں۔بعض اوقات مختلف دیہات کے رہنے والوں کے کھیت کھلیانوں کی حدیں ایک دوسرے سے ملتی تھیں جنہیں ''بنے سنواندری'' کہا جاتا تھا۔فصلوں کی کٹائی کے موسم میں یہاں بھی عورتوں کی آپس میں ملاقات ہوجایا کرتی تھی۔فضائی آلودگی بھی ایسی نہیں تھی جیسی آج کے دور میں سنگین صورتحال ہوگئی ہے،اسی لیے چار پانچ کلومیٹر کے فاصلے تک ایک گاؤں میں دی جانی والی اذان، بندوق سے نکلا فائر اور شادی بیاہ کے ڈھول کی آواز دوسرے گاؤں تک صاف سُنی جاسکتی تھی۔رات کے وقت اور بارش کے بعد کی آوازیں تو مزید صاف سنی جاسکتی تھیں۔ایسے میں متاثرہ لڑکی جب اپنی ہمجولیوں سے کبھی ملتی تو کہا کرتی تھی:''جب کبھی میں پریشان ہوتی ہوں تو راتوں کو اُٹھ کر بے چینی سے گھر کے صحن میں ٹہلنے لگتی ہوں اور دھیان اپنے آبائی گاؤں کی طرف چلا جاتا ہے۔پھر دوپہر رات گزر جائے تو میرے میکے کے گاؤں کے کُتے ذرا سے کھٹکے پر ہنگامہ برپا کر دیتے ہیں۔ایسے میں اُن کی آوازیں مجھے اتنی پیاری لگتی ہیں کہ مَیں دور بیٹھی بحسرت و یاس ان کُتوں کی آوازیں دیر تک یہ سوچ کرسُنتی رہتی ہوں کہ مجھ سے زیادہ خوش قسمت تو چھٹہ وٹہ کے کُتے ہیں کہ اُن گلیوں میں آزادی سے بھونکتے پھرتے ہیں''۔یہ ایک عام سی لڑکی کے ایک معمولی گاؤں سے محض ناسٹیلجک (Nostalgic) محبت میں لِتھڑے جذبات کی کیفیت ہے اور جب بقول غالب'' ذکر اُس پری وَش کا اور پھر بیاں اپنا'' کے مِصداق بات سرورِ کائنات ﷺ سے عشق کی ہو اور بیان کرنے والا حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ جیسا عشقِ مصطفیٰ ﷺ میں ڈوبا قادرالکلام شاعر ہو تو مدینہ منوّرہ کے بارے میں کیسے شہ پارے نظم ہوئے ہیں اُس کی مثالیں مغربی ادب میں شیکسپیئر، وُرڈز ورتھ، گوئٹے اور نطشے کے ہاں تو ناپید ہی رہیں گی البتہ اسلامی دنیا سے ایسی ملتی جلتی نظیریں لائی جاسکتی ہیں۔مُشتے ازخروارے کے طور پر علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

خاکِ یثرب از ہر دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آں جا دلبر است

''مدینہ منورہ کی تو مٹی بھی دونوں جہانوں سے زیادہ پیاری ہے اور کیا ٹھنڈک پہنچانے والا ہے یہ شہر کہ یہاں میرا محبوب ﷺ آرام فرما ہے''۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو محبوب ﷺ کے شہر کی مٹی کو دو جہانوں سے زیادہ پیارا قرار دیتا ہے اُس کی نگاہِ شوق میں آقا ﷺ کے ایک اشارے کی تقلید میں اپنا جان و دِل، ماں باپ اور گھر بار لُٹا دینے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام کتنا بلند و بالا ہوگا اور یقیناً قرآن مجید بھی جس کا گواہ ہے تو اس بلند و بالا مقام کو علامہ رحمۃ اللہ علیہ جیسا عاشقِ رسول ﷺ ہی بیان کرسکتا ہے کیونکہ تقلید کی جو مثالیں انہوں نے قائم فرمائی ہیں وہ انسانی تاریخ میں بمشکل ہی ملنے کا امکان ہے۔

تقلید کی منزل تک پہنچنے سے پہلے عشقِ مصطفیٰ ﷺ کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے اور اُس کو حاصل کرنے کے لیے چشمِ شوق محبت کی کھیتی میں کاشت کرنا پڑتی ہے۔علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں یوں گویا ہوتے ہیں:

چشم در کشتِ محبت کاشتم
از تماشا حاصلے برداشتم

''مَیں نے محبت کی کھیتی میں محبت کاشت کی اور نظارۂ جمال کی صورت میں پیداوار حاصِل کی''۔

تفصیلات کا موقع نہیں لیکن علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی حالاتِ زندگی پر مبنی کتابوں میں جابجا مرقوم ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کثرت سے درودِ پاک کا وِرد فرماتے تھے اور کئی مرتبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو نظارۂ جمال ﷺ کی سعادت نصیب ہوئی بلکہ کچھ صاحبِ حال بزرگوں نے اپنے خوابوں میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو آقائے دوجہاں ﷺ کی محفل میں موجود پایا اور اُن کی زیارت کے لیے دور دراز سے لاہور تشریف لائے۔

تقلید کو علامہ رحمۃ اللہ علیہ عشق کی ہی ایک کیفیت بیان فرماتے ہیں:

کیفیت ہا خیزد از صہبائے عشق
ہست ہم تقلید از اسمائے عشق

''عشق کی شراب سے گونا گوں کیفیات پیدا
ہوتی ہیں۔ تقلید اور پیروی بھی عشق کا ہی
ایک انداز ہے''۔

واضح رہے کہ یہاں تقلید سے مراد فقہی تقلید نہیں ہے، مثلاً فقہی تقلید میں ہر قسم کے موسمی پھل کھانا شرعاً جائز ہیں لیکن:

کامل بسطام در تقلید فرد
اجتناب از خوردن خربوزہ کرد

''بسطام کے مردِ کامل یعنی حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے محبوب کی پیروی میں یگانگی کے درجے تک پہنچے ہوئے تھے۔ انہوں نے خربوزہ محض اس لیے عمر بھر نہ کھایا کہ انہیں معلوم نہ ہوسکا کہ آقائے دو جہاں ﷺ نے اس پھل کو کس طرح کھایا تھا''۔

گویا پیروی کی اس معراج تک پہنچنے والے بزرگ سے کیا کوئی تصور بھی کرسکتا ہے کہ وہ جھوٹ بولے گا، بدعہدی کرے گا، ملاوٹ کرے گا یا بہن بیٹی کو جائیداد کے جائز حصے سے محروم کرنے کی جسارت کرے گا؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں ہوگا تو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تقلیدِ یار ﷺ کا اس درجے کا معیار اپنانا ہوگا۔

آج کے دور کا مسلمان عشقِ رسول ﷺ کا دعویدار ضرور ہے اور اس میں ایک حد تک حقیقت بھی ہے۔ وہ بار بار دیارِ حبیب کے پھیرے لگاتا ہے، کسی خوبصورت نعت کو پڑھ کر یا کسی خوش الحان نعت خواں سے سُن کر اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے۔ دنیا کے کسی گوشے میں ہو، کسی ملک کے کتنے ہی سخت گیر قوانین ہوں وہ آنجناب ﷺ کی شان میں ذرّہ برابر گستاخی برداشت نہیں کرتا اور پہاڑ سے بھی ٹکرانے کو تیار ہوجاتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ محبتِ رسول ﷺ بھی مسلمان کی متاعِ زندگی اور اثاثۂ جان ہے۔ اغیار کے کے دلوں میں اور مغرب کے شاطر دماغوں میں یہ جذبۂ محبت بھی کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ''عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ'' کی حد تک مسلمان اُن کے لیے خطرے کا باعث نہیں ہیں اور ابھی اس ٹوٹے ہوئے تارے میں مہِ کامل بننے کے امکانات معدوم ہیں لیکن مسلمانوں کے دِلوں میں موجود جذبۂ محبت کو ختم کرنے کے لیے کبھی آزادیٔ اظہار کے نام پر اور کبھی مادر پدر آزاد مذہبی آزادیوں کی آڑ میں اوچھے ہتھکنڈوں کا استعمال بہرحال وہ اب بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ علامہ اقبال مگر اس دعویٔ محبت سے انکار کیے بغیر اس سے آگے کی بات کا مطالبہ اور خواہش رکھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان کا کردار اتنا مضبوط ہونا چاہیے کہ وہ دنیاوی ہَوا و ہوَس کو قریب نہ پھٹکنے دے۔ قومی مفاد کے سامنے ذاتی مفاد کی حیثیت پر کاہ سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے، فرماتے ہیں:

عاشقی محکم شو از تقلیدِ یار ﷺ
تا کمند تو شود یزداں شکار

''اگر تو عاشقی کا اور آقائے دو جہاں سے محبت کا دعویدار ہے تو پھر اتباعِ رسول ﷺ سے اپنے کردار کو مضبوط بنا۔ اس راہ سے تُو دربارِ الٰہی میں رسائی حاصل کرسکتا ہے۔ جس فرد یا قوم کو وہاں تک رسائی حاصل ہوجائے پھر اس فرد یا قوم کے تمام مسائل حل ہوجایا کرتے ہیں''۔

اسلامی تاریخ کے جھروکوں سے جھانکیں تو تقلید سے جنم لینے والی بلندیٔ کردار کی عظیم مثالیں تاریخ کے صفحات پر بکھری پڑی ملتی ہیں۔ مدائن کی فتح میں ایک مسلمان سپاہی کے ہاتھ کسریٰ کا تاج لگا۔ وہ اُس کو چادر میں چھپا کر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے خیمے میں آیا۔

عرض کی:

''یا امیر! یہ کوئی قیمتی چیز معلوم ہوتی ہے، اس کو بیت المال میں داخل فرما لیجیے''۔

عشرہ مبشرہ میں شامل سپہ سالار نے حیرت سے سپاہی کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور فرمایا: ''اللہ اکبر! اتنے قیمتی زر و جواہرات سے مرصّع تاج کے ہاتھ لگ جانے کے باوجود عرب کے اس غریب بدو کی نیت خراب نہیں ہوئی کہ ہنگامۂ جنگ کے دوران میں اسے میرے خیمہ میں لانے کی بجائے کہیں چھپا لیتا''۔

اس کے بعد پوچھا:

''آپ کا نام؟''

اس مجاہد نے منہ پھیر کر خیمے سے نکلتے ہوئے کہا:

''جس کے لیے مَیں نے یہ کام کیا ہے وہ ربِ کریم میرا نام جانتا ہے اور نیت بھی''۔

اس معیار کا کردار علامہ اقبال آج کے دور کے ہر مسلمان سے چاہتے ہیں۔ اگلے شعر میں فرماتے ہیں:

لشکرے پیدا کُن از سلطانِ عشق
جلوہ گر شو بر سرِ فارانِ عشق

''عشق کی طاقت سے لشکر تیار کر جو ذاتی اغراض اور دنیاوی حرص و لالچ کے خلاف جہاد میں تیرا مددگار ہو، اسی لشکر کے ساتھ تُو عشق کے پہاڑ پر جلوہ گر ہو اور ان جلووں سے ہر طرف حق کی روشنی پھیلا دے''۔

یہ تقلیدِ یار ﷺ سے جنم لینے والے مقلِدین حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی اور اہلِ حدیث نہیں کہلاتے بلکہ ''چیزے دیگر است'' کے مِصداق ذرا مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ فروعات میں مبتلا نہیں ہوتے اور نہ ہی دنیاوی مصلحتیں ان کو صحیح بات کرنے سے روک پاتی ہیں۔ یہ مشتِ غبار سے مضبوط کردار بناتے ہیں مگر ان کے اندر درد سے آشنا دل ہوتا ہے جیسے کہساروں سے گنگناتی ندی برآمد ہوتی ہے۔

جب ایسی خصوصیات ایک مسلمان قوم میں پیدا ہوجاتی ہیں جو صرف اور صرف تقلیدِ یار ﷺ کی برکت سے ہی آسکتی ہیں تو اس قوم کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسائی نصیب ہوجاتی ہے۔ حاصلِ مثنوی شعر ہے:

تا خدائے کعبہ بنوازد ترا
شرحِ اِنِّیْ جَاعِلٌ سازد ترا

''تو اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرلے گا تو کعبے کا خدا تجھ پر رحمت نازل فرمائے گا۔ انھی اوصاف کی بنیاد پر تجھے 'اِنِّیْ جَاعِلٌ' کا عملی مرقّع بنا دے گا یعنی ساری دنیا کی خلافت کا تاج تیرے سر پر رکھ دے گا''۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ آج کے دور کے مسلمان کو جھنجھوڑتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے انداز میں مقلّد بن جائے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے روس، چین اور امریکہ کی جگہ قرونِ اولیٰ کی طرح کرۂ ارض کی خلافت تیرے نام کردے گا۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آخرت کی کامیابیاں جو عظیم ہیں اور ابدی بھی، یہ ان دنیاوی کامیابیوں کے علاوہ ہیں جو اہم تو ہیں مگر عارضی ہوتی ہیں، تیرے مقدّر میں لکھ دی جائیں گی لہٰذا تقلیدِ یار ﷺ کو اگر شعار بنا لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ یوں پُورا ہوکے رہے گا:

کی محمد ﷺ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

بہت سے لوگ بھوکے کیوں رہ جاتے ہیں؟

مفتی محمد راشد علی

اقوامِ متحدہ کے عالمی ماحولیاتی ادارے (یو این ای پی) کی 2024 کی رپورٹ کے مطابق، دنیا بھر میں تقریباً 78 کروڑ 30 لاکھ افراد بھوک کا شکار ہیں۔ اگر دنیا کی مجموعی آبادی کو تقریباً 8 ارب تسلیم کیا جائے، تو یہ تعداد عالمی آبادی کا تقریباً 8.9 فیصد بنتی ہے۔ یعنی ہر رات دنیا کی تقریباً 10 فیصد آبادی بھوکے پیٹ سونے پر مجبور ہے۔ (Food Waist Index Report 2024)

مندرجہ بالا حقائق اور معاشرے کی صورت حال سے یہ بات واضح ہے کہ اس وقت معاشرے میں بھوک کا مستقل مسئلہ موجود ہے جس کی وجہ سے عدم برداشت میں اضافہ ہوتا دکھائی دیتا ہے اور لوگ ناجائز ذرائع آمدن کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔

کسی فرد یا گھرانے کو کیوں بھوکا سونا پڑتا ہے اگر اس پر غور کیا جائے تو درج ذیل بڑے اسباب سامنے آتے ہیں:

1۔ غربت 2۔ وسائل کی غیر مساوی تقسیم
3۔ جنگیں اور تنازعات 4۔ قدرتی آفات
5۔ حکومتی پالیسیاں اور بدانتظامی
6۔ خوراک کا ضیاع

اسلام نے دیگر مسائل کے حل کے ساتھ معاشرے سے بھوک کے خاتمے کا بھی مکمل انتظام فرمایا ہے۔ آیئے کتاب وسنت سے اس سنگین مسئلہ کے حل کے حوالے سے ہمارے لیے کیا راہنمائی ہے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

غربت اور وسائل کی غیر مساوی تقسیم کی روک تھام

صاحب حیثیت افراد کو دولت اپنی ذات تک محدود رکھنے سے منع کیا گیا اور مال خرچ کرنے پر اللہ ربّ العزت کی طرف سے خصوصی اجر وانعام کی نوید سنائی گئی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

”جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں وہ اپنے انفاق کے پیچھے ہی نہیں پڑ جاتے ہیں احسان جتلاتے ہوئے اور نہ ایذا دیتے ہوئے، ایسے عظیم لوگوں کا اجر ان کے ربّ کے ہاں محفوظ ہوتا ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے“۔ (البقرہ:262:2)

مال خرچ کرنے کے اجر وفضیلت کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کو خرچ کرنے کی خصوصی تاکید بھی کی گئی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ

”اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو اور اُن چیزوں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالیں اور گھٹیا چیزوں میں سے تو تم خرچ کرنے کا ارادہ تک نہ کرو، تم خود اس قسم کا مال قبول کرنے والے نہیں ہوتے، جب تک تم اس میں لاپرواہی نہ برتو اور جان رکھو اللہ بے نیاز خوب حمد کیا گیا ہے“۔ (البقرہ،267:2)

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۗ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ

”ایمان رکھو اللہ اور اس کے رسول پر اور ان اموال میں سے خرچ کرو جن میں تمہیں جانشین بنادیا گیا ہے تم میں سے ایمان لانے والوں اور خرچ کرنے والوں کے لیے بہت بڑا اجر ہے“۔ (الحدید،7:57)

قرآن حکیم کی طرح احادیث مبارکہ میں بھی خرچ کرنے کا اجر وثواب اور تاکید موجود ہے چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”اے ابن آدم! تو (مخلوق خدا پر) خرچ کر (تو) میں تیرے اوپر خرچ کروں گا“۔

(صحیح بخاری کتاب النفقات، باب فضل النفقة على الأهل رقم:5037)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”میں حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اُس وقت حاضر ہوا کہ آپ ﷺ کعبہ کے سائے میں تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: ربِ کعبہ کی قسم! وہ لوگ خسارے میں ہیں۔ میں آ کر بیٹھ گیا، پھر بے چینی سے کھڑا ہو گیا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، وہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کثیر مال والے لوگ ہیں سوائے ان کے جو اِدھر اُدھر آگے پیچھے دائیں بائیں خرچ کرتے ہیں لیکن ایسے (سرمایہ دار) بہت کم ہیں“۔

(صحیح مسلم کتاب الزکاة، باب تغليظ العقوبة من لا يؤدي الزكاة رقم:990)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس نے ایک کھجور کے برابر بھی حلال کمائی سے خیرات کی اور اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا مگر حلال کمائی سے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے دستِ قدرت سے قبول فرماتا ہے پھر خیرات کرنے والے کے لیے اس کی پرورش کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ نیکی پہاڑ کے برابر ہو جائے گی“۔

(بخاری کتاب الزکاة، باب لا يقبل الله الصدقة من غلول ولا يقبل إلا من كسب طيب رقم:1344)

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

''میں نے یا کسی اور نے حضور نبی اکرم ﷺ سے زکوٰۃ کے متعلق پوچھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے''۔

(ترمذی کتاب الزکاۃ، باب ما جاء أن في المال حقًّا سوى الزكاة رقم:659)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا:

''ایک آدمی حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ ﷺ! کون سا صدقہ ثواب کے لحاظ سے بڑا ہے؟ فرمایا: جب تم صدقہ اس حال میں دو کہ تندرست ہو، مال کی ضرورت ہو اور تنگ دستی سے خائف ہو اور مال داری کا اشتیاق ہو۔ اتنی دیر نہ کرو کہ جان گلے میں آ پھنسے اور تب تو کہے کہ اتنا مال فلاں کے لیے اور اتنا فلاں کے لیے ہے حالانکہ اب تو وہ (تیرے کہے بغیر) فلاں کا ہو ہی چکا ہے''۔

(صحیح بخاری کتاب الزکاۃ، باب أي الصدقة أفضل وصدقة الشجيح الصحيح رقم :1353)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر آدمی ایک درہم اپنی زندگی میں صدقہ کرے تو یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ سو درہم اپنی موت کے وقت خیرات کرے''۔

(ابوداؤد کتاب الوصایا، باب ما جاء في كراهية الإضرار في الوصية رقم:2866)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ مجھ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

'' خیرات کو مت روک ورنہ تیرا رزق بھی روک دیا جائے گا''۔

(بخاری كِتَاب الزَّكَاة بَاب التَّحْرِيضِ عَلَى الصَّدَقَةِ وَالشَّفَاعَةِ فِيهَا رقم:1433)

مشکل حالات سے دوچار افراد کی معاونت کا انتظام

ذکر کردہ بھوک کے بڑے اسباب میں جنگیں، تنازعات اور قدرتی آفات بھی ہیں ان حالات کے دوران افراد معاشرہ شدید پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں اور ذرائع رسد اور آمدن ختم ہونے کی وجہ سے لوگ فاقوں پر مجبور ہو جاتے ہیں دین اسلام میں ایسے حالات سے دوچار افراد کی دادرسی کی خصوصی تاکید فرمائی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص نے کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی، اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا اور جس شخص نے کسی تنگ دست کے لیے آسانی کی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانی کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے''۔

(مسلم كِتَاب الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ وَالتَّوْبَةِ وَالِاسْتِغْفَارِ باب فَضْلِ الِاجْتِمَاعِ عَلَى تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَعَلَى الذِّكْرِ رقم:6853)

ارباب اختیار کی راہنمائی

ارباب اختیار کی راہنمائی کرتے ہوئے رسول مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا چنانچہ حاکم نگہبان ہے، اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آدمی اپنے اہلِ خانہ پر نگہبان ہے، اس سے اس کے اہلِ خانہ کے بارے سوال کیا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگہبان ہے، اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا، خادم اپنے مالک کے مال میں نگہبان ہے، اس سے اس کے بارے میں سوال ہوگا، آدمی اپنے والد کے مال میں نگہبان ہے، اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا الغرض تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔

(بخاری، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری والمدن رقم:893)

خوراک کا ضیاع کس قدر ناپسندیدہ ہے اس کا اندازہ لگانے کے لیے ایک حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو روٹی کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا دیکھا، آپ نے اسے اٹھایا، صاف کیا پھر اسے کھا لیا اور فرمایا:

''عائشہ! احترام کے قابل چیز (یعنی اللہ کے رزق کی) عزت کرو، اس لیے کہ جب بھی کسی قوم سے اللہ کا رزق پھر گیا، تو ان کی طرف واپس نہیں آیا''۔

(ابن ماجہ کتاب الأطعمة بَاب : النَّهْيِ عَنْ إِلْقَاءِ الطَّعَامِ رقم:3353)

شادی، بیاہ اور دیگر تقریبات پر ضائع ہونے والے کھانے کے ڈھیر ہم سب کے لیے لمحہ فکریہ ہونے چاہییں۔

کھانا کھلانے کی فضیلت

کھانا کھلانے کی فضیلت پر ایک آیت کریمہ اور دو احادیث مبارکہ سے اس تحریر کو اختتام پذیر کیا جاتا ہے۔ اللہ کریم ہم سب کو اپنی راہ میں خرچ کرنے اور اپنے معاشرے کے ضرورت مند لوگوں کا خیال رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کھانا کھلانے کو اللہ کریم نے مومنین کی صفات میں شمار فرمایا ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝

''اور اس کی محبت میں یتیموں اور مسکینوں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے رہتے ہیں۔ ہم تو بس اللہ کی رضا کی خاطر کھلاتے ہیں نہ تو تم سے کوئی جزا چاہتے ہیں اور نہ ہی شکریہ''۔

(الدھر، 9،8:76)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ جس وقت مدینہ تشریف لائے تو اوّل کلام جو میں نے ان سے سنا وہ یہ تھا:

''اے لوگو! سلام عام کرو اور کھانا کھلاؤ اور نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے''۔

(بخاری کتاب صفة القيامة والرقائق والورع رقم: 2485)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اپنے کسی بھائی کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے اور پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ اُسے (دوزخ کی) آگ سے سات خندق جتنے فاصلے کی دوری پر کر دے گا اور دو خندقوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے''۔

(مستدرک حاکم رقم:7172)